یہ اطلاع احباب کے لئے باعث مسرت ہوگی کہ جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل ناظر اعلےٰ صدر انجمن احمدیہ وامیر مقامی قادیان جن کا نکاح مورخہ ۲۹/۵/۵۲ کو سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے محترمہ ناصرہ خاتون صاحبہ بنت مکرم قریشی محمد یونس صاحب آف بریلی کے ساتھ ربوہ میں پڑھا تھا شادی کے لئے مورخہ یکم نومبر کو عازم بریلی ہوئے۔ روانگی سے پہلے صبح آٹھ بجے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے دالان میں درویشان قادیان جن میں اصحاب کرام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی شامل تھے۔ جمع ہوئے۔ تلاوت قرآن کریم کے علاوہ تین نظمیں بھی خوش الحانی کے ساتھ پڑھی گئیں۔ بعدازاں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے دعا فرمائی۔ اور احباب نے حضرت امیر صاحب کو مصافحہ اور معانقہ کے ساتھ رخصت کیا۔ ریلوے سٹیشن پر بھی بہت سے احباب جن میں جناب حکیم خلیل احمد صاحب ناظر تعلیم و تربیت اور جناب مولوی برکات احمد صاحب ناظر امور عامہ و خارجہ بھی شامل تھے۔ الوداع کرنے کے لئے موجود تھے۔ گاڑی کی روانگی سے پہلے جناب حکیم خلیل احمد صاحب نے دعا فرمائی۔

خدا تعالےٰ اپنے فضل سے اس تقریب کو بخیر و خوبی سرانجام دے اور اس شادی کو ہر طرح سے بابرکت کرے۔ یہ حضرت مولوی صاحب کی دوسری شادی ہے۔ امید ہے کہ آپکی واپسی بہر پا ۵ / نومبر کو ہوگی۔ حضرت مولوی صاحب کی قادیان سے غیر حاضری میں سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کے ارشاد و منظوری سے حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کو ناظر اعلےٰ اور امیر مقامی قادیان مقرر کیا گیا ہے (۲) محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی تقریب شادی اور واپسی ہندوستان کے متعلق گذشتہ پرچہ میں اطلاع شائع کی جاچکی ہے۔ صاحبزادہ صاحب مورخہ ۲۷/ اکتوبر کو ساڑھے گیارہ بجے کے قریب بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچ گئے۔ جہاں پر مکرم مرزا برکت علی آف آبادان مع اہلیہ صاحبہ استقبال کے لئے موجود تھے انہوں نے ایک ہار درویشان قادیان کی طرف سے اور ایک ہار احباب جماعت ہندوستان کی طرف سے صاحبزادہ صاحب کے گلے میں پہنائے۔ اس بات کا افسوس ہے کہ بعض قانونی پابندیوں کی وجہ سے محترم صاحبزادہ صاحب کی بیگم صاحبہ آپکے ساتھ واپس تشریف نہ لاسکیں۔ لیکن آپ قربانی کے جذبہ سے معمور مقدس مقامات کی خدمت کیلئے سب عزیزوں اور بزرگوں سے جدا ہو کر بروقت واپس پہنچ گئے۔ قادیان میں آپکی واپسی انشاء اللہ تعالیٰ کچھ دنوں کے بعد ہوگی .... (۳) مستری منظور احمد صاحب درویش مورخہ یکم نومبر کو جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل کیساتھ راٹھ روانہ ہو گئے۔ مستری صاحب بھی شادی کی غرض سے وہاں جارہے ہیں۔ خدا تعالےٰ بارک کرے۔ (۴) مورخہ ۲۸/۹/۵۲ کو چوہدری عبدالحق صاحب ہیڈ کلرک نظارت امور عامہ کے ہاں بفضلہ تعالیٰ لڑکی پیدا ہوئی۔ اللہ تعالےٰ مبارک کرے اور مولودہ کو باسعادت اور والدین کے لئے قرۃ العیون بنائے۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق تازہ اطلاع

ربوہ مبارکہ ۴ نومبر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے مدظلہ العالی بذریعہ تار اطلاع فرماتے ہیں کہ:۔
سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو افاقہ ہے البتہ کسی قدر زکام کی شکایت ہے۔
احباب اپنے مقدس آقا کی کامل صحت اور مقاصد عالیہ میں کامیابی کے لئے متواتر اور پُر خلوص دعائیں جاری رکھیں۔

کیپٹن آدم مکگیگ پرنسپل سالویشن آرمی سکول بٹالہ کی قادیان میں آمد

قادیان ۲۵ اکتوبر کیپٹن آدم مکگیگ پرنسپل مکتی فوج سکول بٹالہ جو گذشتہ پیشوایانِ مذاہب کے جلسہ میں شمولیت اور اس میں تقریر کرنے کے لئے قادیان تشریف لائے تھے۔ حسب وعدہ اپنی لیڈی اور بچہ کے ساتھ قادیان آئے۔ اور ایک دن قیام کیا۔ یہاں پر انہوں نے علاوہ سلسلہ کے حالات معلوم کرنے کے مکرم مرزا برکت علی آف ابادان کی معیت میں مقدس مقامات کے بہت سے فوٹو بھی لئے اور قادیان کے مختلف محلوں میں پھر کر ضروری مقامات دیکھے علاوہ مکرم مرزا برکت علی صاحب کو ملنے کے مجھے اور مکرم ناظر صاحب امور عامہ سے بھی تفصیلی گفتگو ہوتی رہی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اُن پر اچھا اثر ہوا۔

چنانچہ وہ اپنے خط مورخہ ۲۷ اکتوبر بنام مکرم مرزا صاحب یوں لکھتے ہیں:۔
"ہم سب بخیر و عافیت گھر پہنچ گئے ہیں ہم نے قادیان میں آپ سب کے ساتھ بہت عمدہ وقت گذارا۔ میری بیوی اب تک بہت خوش ہے کہ اسکو آپ کے مقدس مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقعہ مل گیا اور اس کے آپکے مذہب کی تحقیق کا ایک عمدہ موقعہ میسر آیا۔ میں اس تکلیف فرمائی کا مشکور ہوں جو کہ آپ نے میرے آرام اور دلچسپی کیلئے کی۔ اور میں اسکی بہت قدر کرتا ہوں میں عنقریب آپکو اطلاع دونگا کہ میں کب دوبارہ قادیان آکر وہ فوٹو دکھاسکونگا جو میں نے آپ کے مقامات کے لئے ہیں۔"

خاکسار خلیل احمد ایڈیشنل ناظر دعوت تبلیغ قادیان

جناب مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل کی مراجعت

قادیان مورخہ ۴ دسمبر جناب مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل ناظر اعلیٰ قادیان جو اپنی شادی کے لئے یکم دسمبر کو ربوہ تشریف لے گئے تھے بخیر و عافیت مع اہلیہ صاحبہ کے واپس پہنچ گئے ہیں۔ بمبئی سے درویشوں نے آپ کا استقبال امرتسر میں کیا۔ قادیان ریلوے سٹیشن سے دار المسیح تک بذریعہ کار واپسی ہوئی۔ مہمان خانہ کے دروازے پر حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی نے مع دوسرے ممبران صدر انجمن احمدیہ کے آپ کا استقبال کیا اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ سب سے پہلے آپ بہشتی مقبرہ دعا کے لئے تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے لوٹ کر اپنے رہائشی مکان میں آئے۔ آپ کے مکان اور ماحول کو خوبصورت جھنڈیوں سے سجایا گیا۔ خدا تعالیٰ آپ کی شادی کو ہر طرح بابرکت فرمائے۔

شکریہ ۔ مکرم غلام قادر صاحب مشرق آف سکندر آباد نے بچے کی پیدائش پر بطور شکرانہ کسی غیر مستطیع بھائی کے نام ایک سال کیلئے اخبار بدر جاری کرنیکے لئے مبلغ چودہ روپے ارسال فرمائے ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ خدا تعالیٰ عزیز نومولود کو لمبی اور باقبال عمر عطا فرمائے اور خادم دین بنائے۔
(مینیجر بدر)

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی شان میں اخبار "ہند" جالندھر کی نہایت دلآزار گستاخی

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ملک کے بعض اخبارات بجائے اس کے کہ ملک و حکومت کے تعمیری کاموں میں مفید مشورے دیں اور ملک کو ترقی کی راہ پر بسرعت گامزن ہونے میں مدد دیں اپنی تخریبی کارروائیوں میں ہی لذت محسوس کرتے ہیں۔ ان کو اس بات کی قابلیت تو ہے نہیں کہ وہ گذشتہ کوتاہیوں اور خامیوں کی اصلاح کریں اور آئندہ کے لئے ایسا ماحول پیدا کریں کہ ہمارا ملک ان برائیوں سے نجات پاسکے۔ لیکن وہ اپنی تخریبی کارروائیوں اور ملک میں فتنہ و فساد اور اختلافات کو ابھارنے کے لئے پیش پیش ہیں
ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اخبار "ہند" جالندھر کی موجودہ روش بھی اس قسم کی ہے۔ چنانچہ گذشتہ دنوں اس اخبار میں احمدیہ جماعت کے مرکز قادیان کے خلاف جھوٹے اور بے جا الزامات پر مشتمل ایک سلسلہ مضامین شائع ہوتا رہا ہے۔ (اس کا جواب انشاء اللہ عنقریب شائع کیا جائے گا) جس کی غرض سوائے احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیزی کے اور کچھ نظر نہیں آتی
مسلمانوں کو بدنام کرنے اور دوسرے لوگوں کو ان کے خلاف اشتعال دلانے کے لئے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے خلاف رکیک حملے تو گویا اس اخبار کا مشغلہ ہے۔ چنانچہ مورخہ ۲۸ جون کے پرچہ میں اس اخبار نے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے متعلق "بدبخت کتا" کے نازیبا اور بے ہودہ الفاظ استعمال کئے۔ اور اس طرح نہ صرف اس عظیم الشان بادشاہ کی ہتک اور توہین کی بلکہ ان ہندو اور سکھ بزرگوں اور قابلِ فخر ہستیوں کی بھی ہتک کی جو پچاس سال کے لمبا عرصہ تک نہایت وفاداری اور جانفشانی سے اس کے احکام بجا لاتے رہے گویا یہ اخبار اپنے اجداد و اسلاف کو اتنا کمینہ اور ذلیل سمجھتا ہے کہ وہ ایک "بدبخت کتا" کے زیر نگین پچاس سال تک رہے۔ اس کے احکام کی بجا آوری کرتے رہے۔ اور اسی کی خاطر اپنی جان عزیز تک قربان کرنے میں دریغ نہ کرتے رہے
اگر معاصر ہند دفتری گورو گوبند سنگھ صاحب کے ظفرنامہ کو ہی پڑھتا جس میں انہوں نے اپنے آپ کو شہنشاہ کا "چاکر بندہ" لکھا۔ اور یہ لکھا ہے کہ "اگر حکم اید بجاں حاضریم" یعنی حکم ملنے پر جاں لے کر حاضر ہوں۔ تو اس کو اپنی دریدہ ذہنی کی قدر معلوم ہو جاتی۔ مرے ہوئے لوگوں کو گالیاں دے کر اپنے دل کو خوش کرنا کسی شخص یا قوم کی زندگی کی علامت نہیں۔ اور جو شخص ملک میں اتحاد و اتفاق کی قدر کو نہیں پہچانتا وہ یقیناً ملک کا خیر خواہ نہیں کہلا سکتا۔
ہمیں اس بات سے خوشی ہے کہ معاصر ہند کے اس نامناسب طریق کے متعلق ہم نے جو اعتراض اخبار بدر میں اٹھایا تھا حکومت پنجاب نے اس طرف توجہ فرمائی ہے۔ اور اخبار ہند کے مذکورہ بالا الفاظ کو قابل اعتراض قرار دیا ہے اگرچہ ہماری رائے میں مناسب تھا کہ حکومت صرف اپنی رائے دینے پر اکتفاء نہ کرتی بلکہ اس بارہ میں زیادہ سختی سے نوٹس لیتی اور کم از کم اخبار مذکور کو آئندہ کیلئے تنبیہ کر دیتی تا کہ ایسے قابل اعتراض طریق کا اعادہ نہ ہوتا
ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری حکومت اس معاملہ پر دوبارہ سنجیدگی سے غور کر کے اس بارہ میں پورا پورا اقدام کرے گی تا کہ فرقہ دارانہ کشیدگی اور مختلف قوموں میں باہمی نفرت اور انشقاق کی روک تھام ہو سکے۔
ذیل میں ہم جناب ہوم سیکرٹری صاحب حکومت پنجاب کے خط نمبر ۵۷۶۵ PB ۸۲/۱۵۹۲۷ مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء کا ترجمہ شائع کرتے ہیں:۔
"جناب برکات احمد صاحب ایڈیٹر اخبار "بدر" قادیان
جناب عالی۔ بحوالہ مضمون اخبار بدر مورخہ ۷ جون ۱۹۵۲ء جس میں آپنے شہنشاہ اورنگ زیب کے خلاف اخبار ہند کی طرف سے "بدبخت کتا" کے الفاظ استعمال کرنے پر اعتراض اٹھایا ہے مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں آپکو اطلاع دوں کہ یہ معاملہ صوبائی پریس کی مشاورتی کمیٹی کے اجلاس منعقدہ یکم اکتوبر میں رکھا گیا تھا۔ اس نے یہ رائے دی کہ (شہنشاہ اورنگ زیب) کے خلاف مذکورہ الفاظ کے استعمال سے احتراز کرنا چاہئے تھا۔ دستخط x x برائے ہوم سیکرٹری"

دورہ یو۔پی نظارت بیت المال کی منسوخی

بعض وجوہات کی بنا و نظارت بیت المال کا دورہ جو یو۔پی میں ہو رہا ہے۔ بقیہ حصہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔ احباب مطلع رہیں۔
(ناظر اعلیٰ قادیان)

خطبہ جمعہ

مومن کو اپنی پیدائش کے مقصد پر غور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے

اگر تمہیں پتہ ہی نہیں کہ تمہیں کیوں پیدا کیا گیا تو تم بے غرض ہی دنیا میں آئے اور بے غرض ہی اس دنیا سے چلے جاؤ گے

ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے، ہمارے تمام کاموں کی بنیاد مذہب اور روحانیت پر ہے

از سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء بمقام ربوہ — خطبہ نویس مکرم سلطان احمد صاحب پیر کوٹی

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

ڈیڑھ ماہ سے مجھے حرارت ہے اور اسی

حرارت کی حالت

میں ہی میں جمعہ پڑھانے آجا تا رہا ہوں۔ لیکن کچھ دنوں سے مجھے نزلہ کی شکایت ہے جس کا گلے پر بھی اثر ہے۔ اور جیسا کہ میری آواز سے ظاہر ہے۔ میں اچھی طرح بول نہیں سکتا۔ چونکہ آج تکلیف میں افاقہ ہے اس لئے میں نے خیال کیا کہ جمعہ خود ہی پڑھا آؤں۔

ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے اور **ہمارے تمام کاموں کی بنیاد** مذہب اور روحانیت پر ہے۔ میں کچھ عرصہ سے جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلا رہا ہوں۔ کہ وہ اس جماعت کی غرض وغایت کو سمجھیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر شخص سو فی صدی مکمل ہو جائے۔ سو فی صدی مکمل تو صحابہ کی جماعت بھی نہیں تھی۔ آخر انسانوں میں تفاوت ہوتا ہی ہے۔ کوئی انسان بڑا ہوتا ہے۔ اور کوئی چھوٹا کچھ لوگ آگے نکل جاتے ہیں۔ اور کچھ دوڑنے کی کوشش تو کرتے ہیں۔ لیکن انہیں آگے نکلنے کی توفیق نہیں ملتی۔ پھر کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو دوڑ بھی نہیں سکتے۔ وہ جلدی جلدی چلتے ہیں۔ اور پھر کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو چل بھی نہیں سکتے۔ لیکن ان میں حرکت کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ اس لئے وہ گھسٹتے ہیں۔ لیکن بہرحال سب کے اندر کچھ نہ کچھ حرکت ضرور ہوتی ہے۔ ارادہ رکھنے والے لوگ بے حرکت نہیں ہوتے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن لوگ پل صراط کے اوپر سے جو بال سے بھی زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز ہوگی گزریں گے۔ کچھ لوگ تو ایسے ہوں گے۔ کہ وہ پل صراط پر سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ کچھ ہوا کی تیزی کی طرح اس پر گذر جائینگے۔ کچھ گھوڑے کی طرح دوڑتے ہوئے اس پر گذر جائیں گے۔ کچھ لوگ تیزی سے چلتے ہوئے اس پر سے گزر جائیں۔ کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو گھسٹتے ہوئے اس پر سے گذر جائیں گے درحقیقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مومن کی کوششوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ بعض لوگ اس بے وقوفی کی امید میں ہیں کہ قیامت کے دن خدا تعالےٰ ایک لمبی تلوار لے کر ایک پل بنائے گا۔ اس تلوار کی دھار پر سے کوئی گھوڑے کی طرح دوڑتا ہؤا نکل جائے گا۔ کوئی آدمی کے تیز دوڑنے کی طرح دوڑتا ہؤا نکل جائے گا۔ کوئی آدمی کے چلنے کی طرح چل کر اس پر سے گزر جائے گا۔ اور کوئی سرینوں کے بل گھسٹتا ہؤا اس پر سے گذر جائے گا۔ مگر کیا تلوار کی دھار جیسے تیز پل پر سے گزرنا ممکن بھی ہے۔ کیا

بال سے باریک پُل

پر سے گزرنا انسان کی طاقت میں ہے۔ ذرا ایک بال پر گھٹنے رکھکر دیکھو۔ تم اسے کتنا بھی مضبوط تصور کر لو۔ کیا تم اس پر ایک کے بعد دوسرا گھٹنا رکھ سکتے ہو۔ نٹ رسے باندھ کر ان پر ناچا کرتے ہیں۔ لیکن نٹ بھی رسوں پر ناچتے ہیں۔ بال پر یا تلوار کی دھار پر نہیں۔ پھر بجلی کی طرح چلنا تو انسان کی طاقت میں نہیں۔ ہوا کی طرح اڑنا انسان کی طاقت میں نہیں۔ بے شک احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ قیامت کے دن بعض لوگ پل صراط پر سے بجلی کی طرح تیزی سے گزریں گے۔ اور گزشتہ انبیاء کی روایات سے بھی، پل صراط پر سے تیز دوڑ کر گزرنے کا پتہ لگتا ہے۔

لیکن یہ سب تمثیلی زبان ہے۔ اور پھر سوال یہ ہے کہ ہم

اگلے جہان میں

وہ گڑھا کہاں پائیں گے۔ جس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہمیں پل سے گذر کر جانا ہوگا وہ پل کن دو سروں کو ملاتا ہوگا اس دنیا اور اگلی دنیا کا تو آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ یہ دنیا جسمانی ہے۔ اور اگلی دنیا روحانی۔ اس لئے اس دنیا سے اگلی دنیا میں جانے کے لئے کسی پل کی ضرورت ہی نہیں۔ عزرائیل جان نکالتا ہے۔ اور انسان اگلے جہان میں چلا جاتا ہے۔ لاکھوں انسان ہر روز اگلے جہان میں جاتے ہیں۔ ان میں جانے کے لئے کسی پل کی ضرورت نہیں۔ وہ پل جو بال سے زیادہ باریک ہوگا۔ ہمیں تو نظر نہیں آتا۔ وہ پل جو

تلوار کی دھار سے زیادہ تیز

ہوگا۔ ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔ وہ پل جس پر سے لاکھوں روحیں روزانہ جاتی ہیں کسی نے نہیں دیکھا پھر یہ پل کس لئے ہے۔ اگر یہ پل انسانوں کے گزرنے کے لئے ہے۔ تو لاکھوں روحیں روزانہ اگلے جہان جاتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے جانے کے لئے کسی پل صراط کی ضرورت نہیں ہوتی۔ عزرائیل آتا اور جان نکالتا ہے۔ روح اگلے جہان کو پرواز کر جاتی ہے۔ اور جسم اس مادی دنیا میں رہ جاتا ہے۔ ان لاکھوں روحوں کے لئے جو اس جہان سے دوسرے جہان میں جاتی ہیں۔ کسی پل کی ضرورت نہیں۔ پھر انسان کے لئے اگلے جہان میں کسی پل کی کیا ضرورت ہوگی۔ دراصل یہ

تمثیلی زبان

ہے۔ نادانوں نے اسے حقیقت سمجھ کر مادیات کی طرف لے جانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اگر اسے مادیات کی طرف لے جایا جائے۔ تو یہ بات ہنسی کے قابل بن جاتی ہے۔ درحقیقت یہ پل صراط وہ فاصلہ ہے جو مادیت اور روحانیت کے درمیان ہے۔ پل صراط وہ فاصلہ نہیں جو اس دنیا اور دوسری دنیا کے درمیان ہے۔ کیونکہ لاکھوں روحیں روزانہ بغیر کسی پل کے جا رہی ہیں۔ لیکن یہ چیز یعنی کہ انسان

مادی دنیا سے

روحانی دنیا کی طرف کس طرح جاتا ہے۔ اس کے سمجھانے کے لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تمثیلی زبان اختیار کی۔ اور فرمایا کہ مادیت سے روحانیت کی طرف انسان ایک پل کے ذریعہ جاتا ہے۔ یہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ جس طرح اس پل پر جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہو چلنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح مادیت کو روحانیت سے بدلنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ مادیت کو روحانیت سے بدلنا نہایت مشکل ہے بعض لوگ جو اولوالعزم ہوتے ہیں وہ

مادیت اور روحانیت

کے درمیانی فاصلہ کو بجلی کی طرح طے کر جاتے ہیں۔ بعض لوگ جن میں عزم تو ہوتا ہے۔ لیکن وہ زیادہ پختہ نہیں ہوتا وہ اسے ہوا کی طرح تیز اڑ کر طے کر جاتے ہیں۔ کچھ لوگ پختہ ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں عزم نہیں ہوتا۔ وہ گھوڑوں کی طرح تیز دوڑتے ہوئے اسے پار کر جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے ارادے زیادہ پختہ اور اعلےٰ نہیں ہوتے۔ وہ انسانوں کی طرح دوڑتے ہوئے اس فاصلہ کو طے کر جاتے ہیں۔ کچھ لوگ کمزور ارادہ کے ہوتے ہیں۔ وہ چلتے ہوئے اس فاصلہ کو طے کرتے ہیں۔ کچھ لوگ بہت کمزور ارادہ کے ہوتے ہیں وہ گھسٹ کر اس فاصلہ کو طے کرتے ہیں۔ ان کی ایک نماز اور دوسری نماز میں بعض دفعہ سالوں میں

جاکر ذوق پڑتا ہے۔ جیسی نماز انہوں نے آج پڑھی ہے بجائے اس کے کہ اس سے

اچھی نماز پڑھنے کی توفیق

انہیں دوسری نماز میں مل جائے۔ یا دوسرے دن مل جائے وہ بعض دفعہ سال سال بعد ملتی ہے یا کئی سالوں کے بعد ملتی ہے۔ جس طرح گھسٹ کر چلنے والے کی کوئی رفتار نہیں ہوتی ان کی بھی کوئی رفتار نہیں ہوتی جتنے اخلاص کے ساتھ انہوں نے اس سال روزے رکھے ہیں۔ اس سے زیادہ اخلاص کے ساتھ روزے رکھنے کی توفیق انہیں اگلے سال نہیں ملتی بلکہ کئی سال گذرنے کے بعد ملتی ہے گویا ان کے اعمال میں اتنا تھوڑا فرق ہوتا ہے جتنا گھسٹ کر چلنے والے کی رفتار میں ہوتا ہے۔ جو کہ گھٹنوں کے بل چلتا ہے۔ وہ ایک عرصہ تک ہماری آنکھ کے سامنے رہتا ہے لیکن جو شخص گھوڑے پر سوار ہوتا ہے وہ بہت جلد ہماری آنکھوں کے سامنے گذر جاتا ہے پھر بجلی کا تو پتہ بھی نہیں لگتا۔ پس

ایک اعلیٰ درجہ کا مومن

تو اپنے ایمان میں اتنی جلدی ترقی کرتا ہے کہ دوسرے کو پتہ بھی نہیں لگتا۔ ایک دن وہ کوشش کرتا ہے دوسرے دن وہ صالحین میں شامل ہو جاتا ہے تیسرے دن وہ شہید بن جاتا ہے۔ چوتھے دن وہ صدیق بن جاتا ہے۔ اور اگر اسے نبوت کے درجہ پر فائز ہونا ہے تو پانچویں دن وہ نبوت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور وہ بجلی کی سی تیزی سے آگے نکل جاتا ہے یہی پل صراط ہے۔ جس کا حدیثوں میں ذکر آتا ہے اور اس کی ساری حکمت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حرکت میں بتائی ہے

روحانی مدارج کے فرق

کو آپؐ نے حرکت کے ذریعہ واضح کیا ہے۔ اور آپ نے بتایا ہے کہ کوئی شخص سرین کے بل گھسٹ رہا ہوتا ہے کوئی شخص چارپایوں کی طرح چار پاؤں پر چل رہا ہوتا ہے۔ کوئی انسان کی طرح دوڑ رہا ہوتا ہے اور کوئی بجلی کی طرح دوڑ رہا ہوتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ سب لوگ حرکت کر رہے ہوتے ہیں لیکن بعض بدبخت ایسے ہوتے ہیں جو چل نہیں رہے ہوتے۔ جنہیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ نے انہیں چلنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ نمازیں پڑھنے کا اگر خدا تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے تو وہ کبھی غور نہیں کرتے کہ یہ حکم انہیں کیوں دیا گیا ہے۔ عرش پر بیٹھے ہوئے ساری حکمتوں کے مالک خدا کو کیا ہوا کہ اس نے انسان کو یہ حکم دیا کہ وہ کھڑا ہو کر رکوع میں جائے پھر سجدہ میں جائے پھر اٹھے اسے کیا شوق آیا تھا کہ اس نے انسان کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک سال کے بعد پورا ایک مہینہ رات کو اٹھے۔ کھانا کھائے دن کے وقت نہ وہ کھانا کھائے۔ اور نہ پانی پیئے اور غروب آفتاب کے بعد وہ روزہ افطار کرے۔ اسے اس کھیل کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے ان احکام میں کوئی حکمت ہے تو انسان کو

سوچنا چاہیئے

کہ میں اسے پورا کر رہا ہوں۔ کیا اسکے لئے میں نے تھوڑی بہت کوشش کی ہے۔ اگر وہ اس حکمت کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو اس کی نماز اس کا روزہ۔ اس کی زکوٰۃ۔ اس کا چندہ اور اس کا صدقہ درست ہو جاتے ہیں۔ اگر اسے یہ احساس ہے کہ اسے کوشش کرنی چاہیئے تو بہر حال وہ کسی نہ کسی گروہ میں شامل ہو جائے گا وہ پل صراط میں سے ضرور گذر جائے گا۔ چاہے وہ سرین کے بل گھسٹ رہا ہو۔ چاہے وہ پیدل چل رہا ہو۔ چاہے وہ گھوڑے کی طرح دوڑ رہا ہو۔ چاہے وہ ہوا کی طرح اُڑ رہا ہو اور چاہے وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ جا رہا ہو۔ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ وہ چل رہا ہے۔ اگر وہ اگلے منٹ میں نہیں پہنچتا تو ایک گھنٹہ تک پہنچ جائے گا۔ اگر وہ ایک گھنٹہ تک نہیں پہنچ سکتا تو وہ اگلے دن وہاں پہنچ جائے گا۔ اگر وہ اگلے دن نہیں پہنچتا تو وہ اگلے سال پہنچ جائے گا۔ اگر وہ

ایک سال کے بعد

بھی نہیں پہنچتا تو وہ دس سال بیس سال کے بعد پہنچ جائے گا۔ اگر کوئی شخص سرین کے بل بھی چلنا شروع کر دے تو چاہے وہ پچاس سال کے بعد اپنی منزل مقصود پر پہنچے وہ پہنچ جائے گا لیکن جو شخص کھڑا ہے وہ بیس صدیوں میں بھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔ جس شخص کے اندر احساس نہیں۔ آرزو نہیں۔ اُمنگ نہیں۔ خواہش نہیں اس نے چلنا کیا ہے۔ وہ بدبخت جیسے ماں کے پیٹ سے نکلا ویسے ہی یہاں سے چلا جائیگا۔ نہ ماں کے پیٹ سے نکلنے نے اس کے اندر کوئی تغیر پیدا کیا اور نہ قبر کے اندر جانے نے اسکے اندر کوئی تغیر پیدا کیا۔ ان معنوں میں نہیں کہ وہ ماں کے پیٹ سے گناہوں سے پاکیزہ نکلا بلکہ ان معنوں میں کہ جس طرح وہ گند میں لت پت ماں کے پیٹ سے نکلا اسی طرح وہ اس جہان سے گند میں لت پت چلا گیا۔

پس مومن کو اپنی

پیدائش کے مقصد پر غور

کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ قرآن کریم میں کثرت سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس لئے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے کسی چیز کو عبث پیدا نہیں کیا۔ لیکن کتنے ہیں جنہوں نے اس بات کی عادت ڈال رکھی ہے کہ وہ روزانہ دو چار منٹ کے لئے ہی اس بات پر غور کریں کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو کیوں پیدا کیا ہے۔ اتنے بڑے خدا کو اس کھیل کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ جو صفات خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کی ہیں ان پر غور کرو پھر اپنی طرف دیکھو کیا خدا تعالیٰ (نعوذ باللہ) بے عقل تھا کہ اس نے تمہیں پیدا کر دیا۔ اور پھر اُسے یہ کھیل کھیلنے میں کیا لطف آیا۔ وہ سب سے زیادہ عالم ہے۔ وہ سننے والا ہے وہ جاننے والا ہے وہ محیط علیٰ کل شیئ ہے اسکی نظر اربوں ارب ذرات جو دنیا میں ہیں ان کے اربویں حصہ تک بلکہ اس سے آگے اربویں حصہ پھر اس کے اربویں حصہ تک ایک سیکنڈ میں بلکہ اسکے اربویں حصہ میں بلا تعیین پہنچ جاتی ہے۔ ہر چیز اسکے کُن کہنے سے بن جاتی ہے۔

ربوہ میں

صرف ۲۳۰۰ مکانات بننے ہیں لیکن تین سالوں میں ہم سے یہ ۲۳۰۰ مکانات نہیں بن سکے۔ پھر ربوہ ضلع جھنگ کے مقابلہ میں کتنا چھوٹا ہے۔ ضلع جھنگ مغربی پنجاب کے مقابلہ میں کتنا چھوٹا ہے۔ مغربی پنجاب مغربی پاکستان کے مقابلہ میں کتنا چھوٹا ہے۔ مغربی پاکستان پاکستان کے مقابلہ میں کتنا چھوٹا ہے۔ پاکستان ہندوستان کے مقابلہ میں کتنا چھوٹا ہے ہندوستان ایشیا کے مقابلہ میں کتنا چھوٹا ہے۔ ایشیا دنیا کے مقابلہ میں کتنا چھوٹا ہے پھر یہ دنیا عالم شمسی کے مقابلہ میں کتنی چھوٹی ہے یہ زمین عالم شمسی کے مقابلہ میں بالکل ایسی ہے جیسے کہ ایک بڑے باغ میں کوئی مالٹا رکھا ہو مثلاً شالامار باغ میں کوئی مالٹا یا بیر پڑا ہو۔ تو اس بیر یا مالٹے کی جو حیثیت شالامار کے مقابلہ میں ہے اس زمین کی عالم شمسی کے سامنے اتنی حیثیت بھی نہیں۔ پھر عالم شمسی یعنی سورج کے ساتھ جو سیارے وغیرہ ہیں ان کی حیثیت قطب ستارے کے نظام کے مقابلہ میں اتنی بھی نہیں جتنی ایک بیر کی حیثیت باغ کے مقابلہ میں یا ایک مکھی کی حیثیت شہر کے مقابلہ میں ہوتی ہے پھر قطب ستارے کے ساتھ جو دنیا ہے۔ اس کی حیثیت معلوم دنیا کے مقابلہ میں (جو معلوم نہیں اس کا تو ذکر ہی کیا) اتنی بھی نہیں جتنی ایک مکھی کی شہر کے مقابلہ میں اگر تم اس کا اندازہ لگانا شروع کرو کہ عالم خلق کے مقابلہ میں مکھی کی کیا حیثیت ہے۔ پھر اس عالم خلق کے مقابلہ میں انسان جو ایک خوردبینی ذرے کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ وہ اس کے مقابلہ میں اس خوردبینی ذرے کے اربویں حصہ تو کیا اس کے اربویں حصہ کے

اربویں حصہ کی حیثیت

رکھتا ہے۔ اس کی اس دنیا میں کیا حیثیت ہے۔ جتنا نظام عالم نظر آتا ہے اسکے مقابلہ میں ایک ذرہ کو رکھو اس ذرہ کی اس عالم کے مقابلہ میں جو حیثیت ہے۔ انسان کی ساری کائنات کے مقابلہ میں اس سے بھی کم حیثیت ہے۔ اس انسان کو پیدا کرنے کا خیال خدا تعالیٰ کو کیوں آیا۔ وہ انسان جو کہتا ہے کہ مکا ماروں تو تمہارے دانت نکال دوں۔ فرشتوں کے نزدیک اسکی حیثیت ایک چیونٹی کے [illegible] ہے۔ جس طرح چیونٹی (اگر اسے زبان مل جائے) کہے کہ میں [illegible] کو اڑا دوں تو تمہیں کتنی ہنسی آئیگی اسی طرح جب انسان کہتا ہے کہ میں مکا مار کر تمہارے دانت نکال دوں گا تو فرشتوں کے نزدیک اسکی حیثیت چیونٹی کے ایک پنجے کی سی بلکہ اس سے بھی کم ہوتی ہے گویا

عالم مخلوق کے مقابلہ میں

انسان کی کچھ حیثیت نہیں صرف یہ ہے کہ اسے جوش دلا دو تو اس کا دماغ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے اس جنون کی حالت کو الگ کر دو تو وہ ہے ہی کیا چیز۔ جو بڑے لوگ ہیں ان کو نکال دو تو باقی دنیا میں ہے ہی کیا۔ ایک وقت میں ایک دو ہزار آدمی ایسے ہوتے ہیں جو کچھ کر رہے ہوتے ہیں۔ باقی لوگ تو ایسے ہوتے ہیں۔ جیسے گاڑی میں کیل لگا ہوا ہو یا تیل کا قطرہ جو اسکی چولوں میں دیا ہوا ہو۔ اس دنیا کو چلانے والے ایک یا دو ہزار آدمی ہوتے ہیں۔ یہ ایک دو ہزار آدمی بھی باقی نظام عالم کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ وہی سٹالن جو کہتا ہے میں یوں کر دوں گا تو ساری دنیا میں شور مچ جاتا ہے

وہی ڈروبین

جو کہتا ہے میں روس کو یوں کر دوں گا۔ اور سارے روس میں کھلبلی مچ جاتی ہے۔ ان کے جسم میں ایک باریک خوردبینی کیڑا دق۔ سل یا ہیضہ کا چلا جاتا ہے تو وہ تڑپنے لگ جاتے ہیں اور ایک معمولی ڈاکٹر کے سامنے چلاتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب خدا کے لئے میرا علاج کریں مجھے سخت تکلیف ہے یا تو وہ اپنے سامنے کسی دوسرے کو سمجھتے ہی کچھ نہیں اور یا وہ دو چار سو روپیہ پانے والے ڈاکٹر کے سامنے تڑپ رہے ہوتے ہیں وہ ڈاکٹر جسکے دل میں انکی تندرستی کے دنوں میں اگر انہیں ملنے کی خواہش ہو تو وہ انہیں مل بھی نہ سکے وہ بیماری میں انکے آگے سر بسجود ہوتے ہیں پس انسان کو سوچنا چاہیئے کہ آخر اسکی پیدائش کی کیا غرض ہے۔ اس کی پیدائش کی کوئی نہ کوئی غرض تو ہو گی۔

قرآن کریم کہتا ہے

کہ خدا تعالیٰ نے کوئی چیز بے فائدہ اور عبث پیدا نہیں کی میں یہ تو مانتا ہوں کہ ہر کام ہر انسان نہیں کر سکتا مگر تم مجھے یہ یقین دلانا چاہتے ہو کہ انسان کوئی کام بھی نہیں کر سکتا جس طرح یہ غلط ہے کہ ہر کام ہر انسان کر سکتا ہے اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ کوئی انسان کوئی کام بھی نہیں کر سکتا۔ کم از کم وہ کچھوے اور جوؤں کی طرح چلیگا۔ کچھ نہ کچھ حرکت تو ہر انسان کر سکتا ہے ایسا کوئی انسان نہیں جو کوئی حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ اگر تم کچھ کر رہے ہو اور پھر تم سوچتے ہو کہ

تمہاری پیدائش کی کیا غرض ہے

(اگر تم سوچتے نہیں کہ تمہاری پیدائش کی کیا غرض ہے تو تمہاری رفتار تیز نہیں ہو سکتی) تو تمہاری رفتار تیز ہو جائے گی۔ اور ممکن ہے کہ تم میدان کے شاہ سوار بن جاؤ۔ لیکن اگر تم اپنی پیدائش پر غور نہیں کرتے۔ اگر تمہیں پتہ ہی نہیں کہ تمہاری پیدائش کی کیا غرض ہے تو تمہاری ہستی بے غرض ہی دنیا میں آئے گی۔ اور بے غرض ہی اس دنیا سے چلی جائے گی +

درخواست دعا: مجھے اپنی والدہ محترمہ کی تشویشناک علالت کی خبر ملی ہے تمام احباب کرام والدہ محترمہ کی صحت کاملہ عاجلہ کیلئے نہایت عاجزانہ درخواست دعا ہے [illegible] مولوی محمد حفیظ بقاپوری از قادیان

ہفت روزہ مبارک قادیان مورخہ ۷ نومبر ۱۹۵۲ء

فرقہ پرستی

تعجب ہے کہ فرقہ دارانہ ذہنیت رکھنے والی جاعتیں جیسے راشٹریہ سیوم سیوک سنگھ اور ہندو مہا سبھا وغیرہ جب کوئی تحریک اپنے فرقہ دارانہ جذبات کی تسکین کے لئے اُٹھاتی ہیں تو اس کو نیشنل قومی اور ملکی قرار دے کر سب اہالیان ملک سے یہ توقع رکھتی ہیں۔ کہ وہ ان کی امداد کریں۔ گذشتہ دنوں گئو کشی کو بند کرانے کے لئے جو تحریک راشٹریہ سیوک سنگھ کی طرف سے چلائی گئی۔ اس میں مسلمانوں کو بھی شمولیت کی دعوت دی گئی۔ اور یہ کہہ کر دی گئی۔ کہ یہ تحریک فرقہ دارانہ نہیں۔ بلکہ نیشنل اور ملکی ہے۔ حالانکہ جس طریق پر اس تحریک کو شروع کیا گیا ہے۔ وہ خالص مذہبی اور فرقہ دارانہ ہے اور اس کی غرض کانگرس حکومت کو بدنام کرنا اور اس کو اکثریت کے فرقہ کی نظروں میں گرانا ہے۔

اس کے برعکس جو تحریکیں مشترکہ مفاد کی حامل ہیں۔ اور ان کا تعلق صرف کسی ایک فرقہ سے نہیں ان کو اپنے مفاد کے خلاف پا کر یہ فرقہ دارانہ جاعتیں فرقہ داری کے الزام کے نیچے لا رہی ہیں۔ مثلاً یو۔پی وغیرہ میں اردو زبان کو علاقائی زبان قرار دینے کے لئے جو تحریک اردو کے حامی مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں نے مشترکہ طور پر اُٹھائی ہے۔ اس کو قومی روح اور اتحاد کے خلاف ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اور اس کی کامیابی کے رستہ میں سنگ گراں حائل کئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اُردو زبان ہندوستان کی تمام قوموں کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ اور اس کی ترقی اور ترویج سے ہندوستان کی مختلف قوموں اور تہذیبوں کا اتحاد اور امتزاج نہایت مفید صورت میں ہو سکتا ہے۔ اور پھر دستور ہند میں دوسری زبانوں کے ساتھ اس کو بھی ملک کی زبان تسلیم کیا گیا ہے۔

ذیل میں ہم سکھ معاصر روزنامہ "اجیت" مورخہ ۲۲ اکتوبر سے اردو زبان کے متعلق ایک اقتباس درج کرتے ہیں۔ جس سے اس زبان کی قدر و قیمت پر مفید روشنی پڑتی ہے معاصر مذکور لکھتا ہے:۔

"جب یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک علاقہ ہی نہیں بلکہ سارے ہندوستان میں اردو کی وہی پوزیشن تھی۔ جو اس وقت انگریزی کو حاصل ہے۔ اور جب یہ سچ ہے۔ کہ یو۔پی اردو کا گڑھ ہے تو اسے علاقائی زبان قرار دلوانا قابل افسوس بات کس طرح ہو گی؟ کیا ہندی کے پریمیوں کا یہ لسانی سامراج نہیں ہے کہ وہ ہندی کے محل علاقائی زبانوں کے کھنڈرات پر کھڑے کرنے کی کوشش کریں۔ اردو کو علاقائی زبان قرار دلانا نہیں بلکہ اردو کے خلاف عملی اقدام کا مشورہ دینا انتہائی درجہ کی فرقہ پرستی ہے۔ اور اس غیر فرقہ دارانہ مسئلہ کو فرقہ دارانہ مسئلہ بنا کر ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ کے خلاف اُکسانے کے مترادف ہے۔ یقیناً ایسے رویہ سے فرقہ پرستی اور نااتفاقی کا رجحان پھیلے گا اور یقیناً وہ مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ جو ملک کی آزادی سے پیشتر پیدا ہو گئی تھیں"

سکھ معاصر اجیت کا مندرجہ بالا نوٹ واضح ہے باوجود اسکے کہ سکھ بھائی زبان کے معاملہ میں گورمکھی یا پنجابی کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اور بالخصوص پنجاب میں زبان پنجابی کی ہی ترویج چاہتے ہیں معاصر مذکور کا اُردو زبان کی حمایت میں مندرجہ بالا طریق پر آواز اُٹھانا یقیناً اُردو زبان کی مقبولیت کی ایک واضح دلیل ہے اور جو لوگ ملک و قوم کے اس مشترکہ سرمایہ اور اتحاد و اتفاق کے سرچشمہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ کسی طور پر بھی ملک کے خیر خواہ نہیں بلکہ فرقہ داری کے کیچڑ اور دلدل میں خود بھی پھنسے ہوئے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی اسی میں پھنسانا چاہتے ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ ملک کے بہی خواہ اردو زبان کی مخالفت محض اس وجہ سے نہ ہونے دیں گے۔ کہ پاکستان نے اس کو اپنایا ہے۔ اگر ہماری اپنی چیز کسی غیر کو بھی پسند ہے اور وہ اس کو اپنے لئے پسند اور اختیار کرتا ہے تو اس سے ہماری اس پر فوقیت ثابت ہوتی ہے نہ کہ ہماری تذلیل

بجلی سے مُردے جلانا

یہ اطلاع مختلف اخبارات میں شائع ہوئی ہے کہ حکومت پنجاب نے بذریعہ سرکلر مسلسلہ میونسپل کمیٹیوں سے دریافت کیا ہے۔ کہ چونکہ شہروں میں لکڑی با فراط اور بسہولت میسر نہیں آتی۔ اس لئے مُردے درست طور پر جلائے نہیں جاتے اور مُردوں کے کئی حصے لکڑی کی قلت کی وجہ سے بغیر جلے کے رہ جاتے ہیں۔ جن سے بُو سڑاند اور کئی قسم کی اور قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور بسا اوقات ایسے حصوں کو زمین میں دبانا بھی پڑتا ہے۔ لہٰذا اگر مذہبی لحاظ سے کوئی قابل اعتراض بات نہ ہو تو آئندہ میونسپل کمیٹیوں کی حدود میں بذریعہ بجلی مُردوں کو جلانے کا انتظام کیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ جہاں تک مُردوں کے جلانے کا سوال ہے شہروں کی میونسپل حدود میں لکڑی کافی تعداد میں فراہم نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات مُردے پورے طور پر نہیں جلتے اور اس سے صحت عامہ پر بہت برا اثر پڑ رہا ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ دقت کا باعث یہ امر ہے کہ موجودہ گرانی کے زمانہ میں جبکہ غریبوں کو دو وقت پیٹ بھر کر روٹی بھی میسر نہیں آتی۔ اور ان میں سے ایک معتدبہ حصہ اکثر فاقوں سے رہتا ہے۔ مُردے جلانے کے لئے اتنی بڑی مقدار میں لکڑی کا خرید کرنا ناممکن ہے۔ اور پھر صرف لکڑی کا سوال ہی نہیں لکڑی کے علاوہ مذہبی رسومات کو پورا کرنے کے لئے جو اشیاء درکار ہوتی ہیں۔ وہ اتنی گراں ہیں۔ کہ ایک متوسط طبقہ کے فرد کے لئے بھی ان کا فراہم کرنا نہایت مشکل ہے۔ مثلاً جناب سوامی دیانند صاحب بانی آریہ سماج نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں جو شرائط و قواعد مُردوں کے جلانے کے لئے مقرر کئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

"مردہ کے لئے تین ہاتھ گہری یا ساڑھے پانچ ہاتھ لمبی ویدی جس کی سطح ڈیڑھ بالشت ڈھلوان کھودنی چاہیئے۔ جسم کے وزن کے برابر گھی لینا چاہیئے اور فی سیر گھی میں ایک رتی کستوری اور ایک ماشہ کیسر ڈالنا چاہیئے۔ کم از کم آدھ من صندل ڈالے زیادہ چاہے جس قدر ہو۔ اگر تگر۔ کافور وغیرہ اور پلاس (ڈھاک) وغیرہ کی لکڑیاں ویدی میں جانی چاہئیں۔ اور اس پر مردہ رکھ کر چاروں طرف ویدی کے اوپر منہ کی طرف سے ایک ایک بالشت تک بھر کر (مردہ) کو گھی وغیرہ کی آہوتی دے کر جلانا چاہیئے۔ اگر اسی طرح مردہ جلایا جائے تو بالکل بدبو نہ پھیلے...... اگر کوئی شخص مفلس ہو۔ تو وہ بھی بیس سیر سے کم گھی چتا میں نہ ڈالے۔ خواہ وہ گھی بھیک مانگنے یا اپنی برادری یا سرکار سے کیوں نہ حاصل کرے"

(ص ۶۱۶ و ۶۱۷)

مُردے جلانے کی ان شرائط اور قواعد پر جو بانی آریہ سماج نے بیان کی ہیں۔ غور کیا جائے اور دیکھا جائے۔ کہ موجودہ زمانہ میں ان رسومات کو کون ادا کر سکتا ہے اور وہ مذہب جو پیدائش سے اس قسم کی پابندیاں لگاتا ہے وہ کہاں تک قابل عمل کہلا سکتا ہے۔

اس کے برعکس مذہب اسلام ہے کہ اس کا بنیادی اصول ہے "الدین یسرٌ" ہے یعنی مذہبی امور کی ادائیگی میں ہر ممکن آسانی اختیار کی جاتی ہے۔ اسی اصل کے پیش نظر اسلام نے مُردوں کے جلانے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ زمین میں دفن کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس طریق سے ایک تو اخراجات کم سے کم ہوتے ہیں۔ بلکہ غریبوں کو کچھ بھی خرچ نہیں کرنا پڑتا اور دوسری طرف کوئی بدبو یا سڑاند پیدا نہیں ہوتی اور صحت عامہ پر بھی بُرا اثر نہیں پڑتا۔

اس امر کے متعلق تو ہندو مذہب کے دوست ہی اپنا نقطہ نگاہ پیش کر سکتے ہیں۔ کہ اگر صحت عامہ اور پبلک مفاد کی خاطر ان قواعد اور شرائط کو چھوڑتے ہوئے جو ہندو مذہب نے مُردوں کو جلانے کے لئے مقرر کی ہیں۔ آئندہ بذریعہ بجلی مُردے جلائے جائیں۔ تو مذہبی لحاظ سے کیا قباحت لازم آتی ہے ہم تو صرف اتنی توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اسلام کا مُردوں کے دفنانے کا طریق یقیناً اپنے اندر سہولت اور آسانی رکھتا ہے اور غریبوں کو ناقابل برداشت بوجھ سے نجات دیتا ہے۔

عورت کا مقام قرآن مجید کی روشنی میں!

مفتی مصر اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بیانات پر تبصرہ

از مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ

گذشتہ دنوں عورت کے مقام کے متعلق اسلامی نظریہ کے بارہ میں مفتی مصر اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بیانات اخبارات میں شائع ہوئے تھے۔ اس تعلق میں ایک نہایت قیمتی اور فاضلانہ مضمون احمدیہ نقطۂ نگاہ سے ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ یہ احباب کی دلچسپی اور ازدیادِ ایمان کا باعث ہوگا۔ (ایڈیٹر)

(۱)

انسانی زندگی کے دو جزو ہیں۔ انسانیت کی گاڑی انہی دو پہیوں پر چلتی ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ حیاتِ بشری کا دارو مدار مرد و عورت دونوں پر ہے۔ عورت کا وجود بھی انسانی زندگی کے لئے اتنا ہی اہم، اتنا ہی ضروری اور اتنا ہی بنیادی ہے جتنا کہ مرد کا وجود۔ بلکہ بعض پہلوؤں کے لحاظ سے اس بارے میں عورت کو گونہ امتیاز حاصل ہے۔

اس صداقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے آقا سید البشر حضرت خاتم النبیین محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر عورت کے حقوق کا اعتراف موجود نہ تھا۔ وہ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی ہونے کے باوجود بے حرمت تھی۔ حقوق سے محروم تھی۔ مذہبی دنیا میں بھی اس کا احترام مفقود تھا۔

مذاہبِ عالم میں سب سے پہلا مذہب جس نے عورت کے حقوق کا باقاعدہ طور پر اعلان کیا اسلام ہے۔ قرآن مجید نے اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی (الحجرات) کہکر عورت کے بنیادی مقام کو مرد کے برابر تسلیم کیا۔ جو جاہل لوگ لڑکی کی پیدائش کو منحوس خیال کرتے تھے اور اس کی پیدائش کے دن کو ماتم سمجھتے تھے اُن کی عقل کا ماتم کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ یہ لوگ کیسا غیر معقول اور کتنا بے ہودہ فیصلہ کرتے ہیں۔

اسلام نے عورت کو دینی۔ ثقافتی اور تمدنی حقوق میں مرد کے مساوی قرار دیا ہے۔ البتہ جسمانی بناوٹ اور ذہنی قویٰ کے اعتبار سے مرد و عورت میں جو طبعی تفاوت موجود ہے اس کے پیشِ نظر اور قانونِ قدرت کی مطابقت میں اسلام نے بعض امور میں کچھ فرق رکھا ہے جس کا مقصد تقسیم کار کے سوا اور کچھ نہیں۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے عورت اور مرد کے دائرہ عمل میں قدرے اختلاف ہے۔ اس بات کو نظر انداز کر کے اگر مرد عورتوں کے دائرہ عمل میں مداخلت کریں گے تو ناکام رہیں گے اور اسی طرح اگر عورتیں قدرتی تفاوت کے لحاظ کے بغیر مردوں کے دائرہ عمل میں گھسنے کی کوشش کریں گی تو ایک غیر طبعی حالت پیدا ہو جائے گی۔ اور آخر کار یہ کوششیں ناکام رہیں گی۔

اسلام نے عورت کے حقوق کے بارے میں جو بے مثال طریق اختیار کیا ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے والا ہر منصف مزاج غیر مسلم بھی اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ "پاکستان بھگوت گیتا سوسائٹی" بنگال نے اپنے پمفلٹ میں "امرت پترکا" الہ آباد کے نارو ارویہ کی مذمت کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ:-

"None in history has done for women kind what Hazrat Mohamad has done for the fair sex."

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور یکم اکتوبر ۱۹۵۲ء)

یعنی "رسول پاک نے صنفِ نازک کی بہبود کے لئے جو کچھ کیا اس کی تمام عالم میں مثال نہیں ملتی"۔

(نوائے وقت ۲ر اکتوبر ۱۹۵۲ء)

اس سے قبل بھی ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے اس امتیاز کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

(۲)

اسلام نے اسلامی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول قرار دیا ہے۔ اس مقصد کے لئے باقی تمام اشیاء بطور آلہ کے ہیں۔ اسلامی نقطۂ خیال سے یہ دنیا اور اس دنیا کی تمام چیزیں انسان کا مقصود بالذات نہیں۔ یہ چیزیں تو انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ قرآن مجید آخرت کی دائمی زندگی کو ہی حقیقی زندگی قرار دیتا ہے۔

اس مقصد حیات کے بارے میں عورت یا مرد میں ذرہ بھر بھی تفریق نہیں۔ قرآن مجید اس بارے میں کھلے طور پر کامل مساوات کا اعلان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

(۱) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل ۹۷)

کہ نیک اعمال بجا لانے والوں کو وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں ایماندار ہونے کی صورت میں ہم انہیں ضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے کاموں سے بہتر اور بڑھ چڑھ کر اجر دیں گے۔

(۲) فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ ۚ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ (آل عمران ۱۹۵)

ان کے رب نے ان کی تمام دعا قبول فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں تم میں سے کسی مرد یا عورت کے عمل کو ضائع نہ ہونے دوں گا۔ تم باہم ایک دوسرے سے ہو۔ پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ان کو اذیت پہنچائی گئی۔ انہوں نے فی سبیل اللہ جنگ کی اور شہید ہوئے میں ان کی سابقہ بدیوں کو ڈھانپ دوں گا اور انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے ساتھ نہریں بہتی ہوں گی یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین بدلہ موجود ہے۔

(۳) وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ۝ (النساء ۱۲۴)

"جو بھی نیک کام کریں گے خواہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں وہ سب ایماندار ہونے کی صورت میں جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کسی قسم کا ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا"۔

ان تین آیات میں نہایت صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ جہاں تک زندگی کے مقصد کے حصول کا سوال ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں۔ سب کے لئے یکساں طور پر راہ کھلی ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے ذرائع سے مساوی طور پر اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے۔ پس اسلام اصل مقصد کے لحاظ سے مرد و عورت میں کامل مساوات کا علمبردار ہے۔

(۳)

دنیوی نظام میں طبائع، قوتوں اور ضرورتوں کے فرق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں میں ایک درجہ کا فرق تسلیم کیا ہے۔ فرماتا ہے:-

وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ (البقرہ ۲۲۸)

کہ جس طرح عورتوں کے ذمے حقوق ہیں اسی طرح ان کے لئے بھی مردوں کے ذمے حقوق ہیں۔ ہاں مردوں کو عورتوں پر ایک فوقیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے"۔

اگر یہ سوال ہو کہ وہ فوقیت کیا ہے اور اس کی کیا وجہ ہے تو قرآن مجید خود فرماتا ہے:-

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ۔ (النساء ۳۴)

کہ مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں۔ ان کے حقوق کے نگران ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو طبعی قوتوں کے لحاظ سے فوقیت عطا فرمائی ہے اور اس لئے کہ وہ اخراجات مہیا کرنے کے ذمہ دار ہیں"۔

اس آیت کریمہ میں جہاں اس فرق کی وضاحت کی گئی ہے اور اُسے محض اضافی قرار دیا گیا ہے وہاں اس کی وجہ بھی بتلا دی گئی ہے۔ فرمایا کہ اس فرق کا موجب ہر دو کے دائرہ عمل کا اختلاف ہے۔ مرد اپنے جسمانی قویٰ کے لحاظ سے امتیاز رکھتے ہیں۔ اور شریعت نے ان پر نان و نفقہ کی ذمہ داری رکھی ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ نظام کو چلانے کے لئے کچھ تفاوت تسلیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرق کے اعلان کے ساتھ یہ بھی فرما دیا ہے:-

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ (النساء ۳۲)

کہ مردوں کو اپنے نیک اعمال کا حصہ ملے گا اور عورتوں کو اپنے نیک اعمال کا حصہ۔ تم مرد و اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو"۔

اسلام نے اصولی طور پر اس ایک فرق کے علاوہ عورتوں کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کی ہے۔ اس نے عورت کو حق ملکیت بخشا ہے۔ اسے ورثہ میں وارث قرار دیا۔ تمام احکام میں اسے اپنے دائرہ میں پوری آزادی اور حریت عطا فرمائی۔ غرض تمام تمدنی حقوق میں عورت کے درجہ اور مقام کو اسلام نے تسلیم کیا۔ تمام ثقافتی حقوق میں عورت کے بلند مرتبہ کا اعلان فرمایا۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے عورتوں کے لئے وحی الہام اور

کشوف کے دروازوں کو کھلا قرار دیا۔ قرآن مجید نے ان پاکیزہ عورتوں کے حالات کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ جو اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کے قرب کو پا کر تمام آدمزادوں اور حوازادیوں کے لئے اسوۂ حسنہ قرار پا گئی ہیں۔

اسلام نے جس معاشرہ کی بنیاد رکھی ہے۔ اُس کا بنیادی اصل یہ ہے:۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ٥ (الاحزاب ۳۵)

ترجمہ: تحقیق فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں، کامل اور دلی اطاعت کرنیوالے مرد اور کامل دلی اطاعت کرنیوالی عورتیں۔ راستباز مرد اور راستباز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اللہ کے لئے عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ صدقہ دینے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرنیوالے مرد اور اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کیا ہے۔"

اس آیت سے اسلام کا نقطۂ نگاہ درباره مساوات مابین مرد و عورت نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسلام کے نزدیک انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لئے عمدہ صفات اور عمدہ خصائل والے مرد اور عورتیں بنیادی چیز ہیں۔ صفات و خصائل کی کیفیت اصل مطلوب ہے۔ اور اسلام نے ان کے لئے مردوں اور عورتوں سب کے لئے پورے طور پر دروازے کھلے رکھے ہیں۔

(۴)

گذشتہ دنوں مصر میں عورتوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں اسمبلی اور پارلیمنٹ میں ممبر بننے کا حق دیا جائے۔ مصر کے مفتی نے فتویٰ دیا کہ عورتیں اس مطالبہ میں اپنے دائرہ سے تجاوز کرنا چاہتی ہیں یہ جائز نہیں۔ اس فتویٰ کے خلاف مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیم بھارت نے بیان شائع کیا کہ اسلام کی رُوح عورت کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے۔ اِن بیانات کو اپنے رنگ میں ذکر کرتے ہوئے آریہ اخبار "پرتاپ دہلی" لکھتا ہے کہ:۔

"چند دن ہوئے مصر کے مفتی نے فتویٰ دیا کہ اسلام عورتوں کو ووٹ کا حق نہیں دیتا۔ ان کا کام ہے گھر کا انتظام اور بچوں کی دیکھ بھال کرنا۔ دوسرے الفاظ میں اسلام کے مجلسی ڈھانچہ میں عورتوں کی جگہ اچھی بیویوں اور اچھی ماؤں کی ہے۔ عورتوں کو مردوں کے فرائض اپنے ذمے نہ لینے چاہئیں مصر کے مفتی کا جواب امام الہند مولانا آزاد نے دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام کا عام رجحان یہ ہے کہ پولیٹیکل یا پبلک زندگی میں مردوں اور عورتوں میں امتیاز نہ رہے اگر اسلامی شرع کے فلسفے یا مسلم سوسائٹی کی تاریخ کو دیکھا جائے تو اسلام مفتی صاحب کے نظریے کے عین خلاف تصویر پیش کرتا ہے یہ بات اس جنگ سے ثابت ہو گئی جو تیسرے خلیفہ کی شہادت کے بعد ہوئی۔ اس جنگ کے ایک فریق کے لیڈر جو تھے خلیفہ حضرت علی رضؓ تھے اور دوسرے گروپ کی لیڈر رسولؐ کی بیوہ عائشہؓ تھیں۔ کسی نے اُس وقت حضرت عائشہ رضؓ کی لیڈرشپ پر اسلئے اعتراض نہیں کیا کہ وہ عورت ہیں۔ یہ واقعہ رسولؐ کی موت کے بیس سال بعد کا ہے۔ جبکہ صحابہ رضؓ ابھی زندہ تھے پھر تاریخ یہ بتاتی ہے کہ کئی عورتیں حکومت کے تخت پر بیٹھی ہیں۔ مصر کے مفتی صاحب نے فرمایا کہ ایک مسلم عورت کا آدرش اچھی بیوی اور اچھی ماں بننا ہے۔ یہ سچائی تو ہے۔ لیکن پوری سچائی نہیں آدرش کے طور پر درست ہے کہ عورتیں اچھی بیویاں اور اچھی مائیں بنیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام نے عورتوں کو اپنا مستقبل وضع کرنے سے روک دیا ہے۔

اسلام کے دو علماء میں ہو بحث تو تیسرا۔ اور پھر وہ بھی غیر مسلم اس میں دخل دینے کا کیسے مجاز ہو سکتا ہے اسے مولانا آزاد کی رائے سے اختلاف ہو تو اور بھی مصیبت کیونکہ اُسے اپنے اختلاف کی تائید میں قرآن اور حدیث کے حوالے اور تاریخ کی مثالیں دینی ہوں گی۔ اس صورت میں یہ شکائت ہو سکتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی دلآزاری کی گئی ہے۔ بھارت کی سیکولر حکومت کو اس کے خلاف کارروائی کرنی چاہیئے مولانا نے جو کچھ کہا ہے اس سے اختلاف کی گنجائش نہیں۔ لیکن ان سے ایک سوال کا بجا طور پر اور پورے ادب سے پوچھا جا سکتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے وہ اصول کی حیثیت رکھتا ہے یا استثنیٰ کی۔ اسلام کی تاریخ عورتوں کو زیادہ تر اچھی ماؤں اور اچھی بیویوں کی شکل میں پیش کرتی ہے یا اچھی رانیوں کی۔ اسلامی ممالک میں عام طور پر عورتوں کا درجہ کیا رہا ہے۔ اُنہیں جو برقع میں ڈالا گیا کیا یہ انہیں اپنے مستقبل کے فیصلہ کا حق دیتا تھا؟"

(پرتاپ ۲۳ر مئی ۱۹۵۲ء)

ایک اچھی علمی تحقیق پر جب کوئی آریہ اخبار تبصرہ کرنے لگے گا تو وہ یہی انداز اور یہی زبان استعمال کرے گا جو "پرتاپ" نے اختیار کی ہے۔

قابلِ غور بات صرف یہ ہے کہ قرآن مجید اور اسلام نے عورتوں کو غیر مردوں سے آزادانہ اختلاط کی اجازت نہیں دی۔ بے شک عورتوں کے حقوق مسلّم ہیں۔ ان کیلئے قیادت کا دروازہ بھی کھلا ہے۔ ان میں سے بدالضرورت حکمران بھی ہو سکتی ہیں لیکن ہر حال میں قرآن پاک کی اس ہدایت کو مدنظر رکھا جائے گا:۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ۔ الآیۃ (النور ۳۲)

کہ مومن عورتوں کا فرض ہے کہ غضِ بصر کریں اور پاکدامنی اختیار کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں بجز اُس کے اضطراراً ظاہر ہو۔ اپنے گریبانوں پر اوڑھنی پہن لیا کریں"۔

قرآن مجید نے پاکدامنی کے اختیار کرنے اور غضِ بصر کرنے کے لحاظ سے مرد اور عورت کو یکساں حکم دیا ہے۔ لیکن عورتوں کے خاص حالات کے پیشِ نظر ان پر مزید پابندی ان کے مفاد کے لئے لگائی ہے کہ وہ غیر مردوں سے آزادانہ خلا ملا نہ کریں بلکہ پردہ کریں۔ اس پابندی کے معقول اور مناسب ہونے کا اندازہ اس قید سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو بانیٔ آریہ سماج سوامی دیانند جی نے لڑکوں اور لڑکیوں کے مدرسوں کے بارے میں لگائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"لڑکے و لڑکیوں کے مدرسے ایک دوسرے سے کم از کم دو کوس پر ہوں جو استاد۔ استانیاں اور نوکر چاکر ہوں اور ان میں سے لڑکیوں کے مدرسہ میں عورتیں اور لڑکوں کے مدرسہ میں مرد ہونے چاہئیں۔ زنانہ مدرسہ میں پانچ برس کا لڑکا اور مردانہ میں پانچ برس کی لڑکی بھی نہ جانے پائے"

(ستیارتھ پرکاش باب سوم صفحہ ۴۸)

اسلام نے عورتوں پر ایک طبعی اور فطرت کے عین مطابق پابندی لگائی ہے۔ اور وہ پابندی بھی عورت کے کردار اور مستقبل کو محفوظ کرنے کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے تمام حالات میں روحانی۔ تمدنی اور اخلاقی امور میں بلحاظ حقوق اور ذمہ داریوں کے عورتوں اور مردوں کو مساوی درجہ دیا ہے۔ اور مقاصدِ حیات کے حصول میں دونوں کے لئے یکساں طور پر راستے کھلے رکھے ہیں اور ہر ایک کو اپنے ماحول اور حالات کے لحاظ سے ترقی کرنے کا موقعہ دیا ہے۔

یہ امر در اصل اسلام کے فطری اور عالمگیر مذہب ہونے پر ایک واضح دلیل ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

درویشوں کی کھیلیں

احمدیہ فٹ بال کلب قادیان کا ایک میچ مورخہ ۱۸ر اکتوبر سکھ نیشنل کالج قادیان کی ٹیم سے ہوا۔ جس میں ایک گول سے ہماری ٹیم جیت گئی۔ اسی طرح بٹالہ خالصہ ہائی سکول سے مورخہ ۲۱ر اکتوبر کو ہماری کلب کی ٹیم کا فٹ بال میچ ہوا۔ جس میں دونوں ٹیمیں برابر رہیں اس درویشانہ محصوریت میں بعض نوجوان صحت کی بحالی کے لئے بھی توجہ دیتے ہیں جو قابلِ تحسین ہے۔

مقدس چولا اور سکھ صاحبان!

از مکرم خواجہ غلام نبی صاحب سابق ایڈیٹر اخبار الفضل

جب لوگ اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے رب اور اپنے مالک خدا کو بھول جاتے ہیں اس کی قدرت نمائیوں اور زبردست طاقتوں کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اور اس کے عجیب در عجیب نشانات سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اُس کی ہستی تک کا انکار کر دیتے اور سمجھ لیتے ہیں۔ کہ نہ کوئی رب اور خدا ہے۔ اور نہ اس دنیا کے کسی انسان سے اس کا کوئی اس قسم کا تعلق اور واسطہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ کلام کرے۔ یا اسکے ذریعہ خاص نشان دکھائے۔ ایسے نشان جو انسان اپنے آپ نہ دکھا سکتا ہو۔ اور وہ صرف خدا کی قدرت اور اس کی بے مثال طاقت کا ثبوت سمجھا جا سکتا ہو۔ جب لوگوں کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو خدا تعالےٰ اکسی ایسے بندے پر ظاہر ہوتا ہے جس کے دل میں خدا کو پانے کی تڑپ ہوتی ہے اور جو اس کے لئے بے تاب رہتا ہے۔ خدا اس کو اپنے پیارے اور فرحت بخش کلام سے نوازتا اور اسکے ذریعہ عجیب در عجیب نشانات ظاہر کر کے اُسے اطمینان قلب اور روحانی سرور بخشتا ہے اور پھر اس پر نازل ہونے والے نشانات کو دوسروں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور خدا کا خوف دل میں رکھتے ہیں ہدایت اور تسلی کا موجب بناتا ہے۔

جس خوش قسمت انسان کو خدا تعالےٰ نشان نمائی کے لئے چُنتا اور اپنا خاص بندہ قرار دیتا ہے۔ اس کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اسے خدا کے نشان سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی۔ وہ دنیا کی ہر چیز اس نشان کی عزت و احترام کی خاطر قربان کر دینا معمولی بات سمجھتا ہے۔ اور کسی حالت میں بھی اس سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتا۔ اور اس کی خاطر تکلیف اور دکھ اُٹھانا بھی راحت محسوس کرتا ہے جن لوگوں میں حضرت بابا نانکؒ پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کی یہی حالت تھی۔ کہ اپنے رب اور اس کی طاقتوں کو بالکل بھولے ہوئے تھے۔ اور جس زمانہ میں پیدا ہوئے۔ وہ بڑی ظلمت اور سیاہی کا زمانہ تھا۔ اس وقت خدا نے اپنی ہستی کا ثبوت دینے اور اپنی تلاش کرنے والوں سے ملنے کا پتہ بتانے کے لئے حضرت باوا صاحب پر کئی نشانات ظاہر کئے۔ جن میں سے ایک مقدس چولا کا نزول بھی تھا۔ یعنی حضرت باوا صاحب کو خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک آسمانی خلعت ملا۔ جس پر جابجا قرآن شریف کی آیات اور ایسے متبرک کلمات مرقوم تھے۔ جن سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی تھی۔ اس مقدس خلعت کی خود حضرت باوا صاحب کے نزدیک تقدیس کا یہ حال تھا کہ دم وفات تک اسے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اور بڑی احتیاط سے اپنے پاس رکھا۔ اور زندگی بھر پہنے رہے۔ اور خدا تعالےٰ کا نہایت عزیز اور قیمتی تحفہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ سکھ صاحبان کی مقدس کتاب جنم ساکھی (اردو) کے صفحہ ۴۹ پر لکھا ہے۔ کہ:۔

"سری گورو نانک جی کو آکاش بانی (الہام) ہوئی۔ کہ اے نانک میں تم پر بہت خوش ہوں۔ اور ایک خلعت تم کو بخشتا ہوں"

پورا تن جنم ساکھی میں مرقوم ہے۔ کہ جب آپ کی والدہ ماجدہ نے جو ہندو دھرم کی پیرو تھیں۔ آپ کو یہ خلعت اتار کر دوسرے کپڑے پہننے کے لئے کہا۔ تو آپ نے بڑے ادب سے انہیں یہ جواب دیا کہ:۔

"بابا ہور پہنن خوشی خوار۔
جت پیدھے تن پیڑیئے من میں چلے دکار"
(پوراتن جنم ساکھی ص۶۳)

یعنی یہ چولا اتار کر کپڑے پہننے سے میری ساری خوشی جاتی رہے گی۔ اور میرے جسم اور روح کو بہت تکلیف ہوگی۔

حضرت باوا صاحب کے اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چونکہ مقدس چولا کو نہایت فیض بخش بڑا ہی مبارک اور بہت فائدہ پہنچانے والا اور اپنے جسم اور روح کے لئے بہت مفید اور آرام دہ سمجھتے تھے۔ اس لئے نہایت نرمی سے اپنی والدہ صاحبہ کا کہنا ماننے سے معذرت پیش کر دی۔ اگر حضرت بابا صاحب اس چولا کو معمولی خلعت سمجھتے۔ اس سے کوئی بڑا فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ اور کسی انسان کا دیا ہوا تحفہ خیال کرتے۔ تو ہرگز اپنی والدہ ماجدہ کے حکم ماننے سے انکار نہ کرتے۔ اور جھٹ اس کی بجائے دوسرے کپڑے پہن کر اپنی والدہ صاحبہ کو خوش کر دیتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنے میں انہیں بڑی بھاری معذوری تھی۔ اور وہ معذوری سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھی۔ کہ وہ چولا صاحب کو خدا کا دیا ہوا مقدس تحفہ سمجھتے تھے۔ اور اس سے جسمانی اور روحانی فیوض انہیں حاصل ہوتے تھے۔ جن سے وہ محروم نہ رہنا چاہتے تھے۔ اور چولا کو اتار کر اس کی ہتک کرنے کے مرتکب ہونا چاہتے تھے۔ پس حضرت بابا صاحب نے اپنی والدہ صاحبہ کے کہنے پر چولا کو اپنے جسم سے علیحدہ نہ کر کے ثابت کر دیا کہ ان کے نزدیک چولا کی بہت بڑی قدر و قیمت تھی۔ اور وہ واقعی اسے خدائی تحفہ اور خدا کا نشان یقین کرتے تھے۔

پھر یہ بھی ظاہر کر دیا۔ کہ جب والدہ جیسی مقدس اور قابل احترام ہستی کے کہنے پر انہوں نے چولا کو اپنے جسم سے علیحدہ نہ کیا۔ تو اور کوئی دنیا کی طاقت یا ہستی آپ سے اس تحفہ کو علیحدہ نہ کرا سکتی تھی۔ اور علیحدہ نہ کرا سکی۔ چنانچہ سکھوں کی مذہبی کتب بتاتی ہیں۔ کہ جب تک حضرت باوا صاحب اس جسم خاکی کے قفس میں اس دنیا پر موجود رہے یہ چولا آپ کے پاس ہی رہا۔ کئی بار غیر معقول لوگوں نے چاہا کہ آپ سے چھین لیں۔ اور آپ کو اس سے محروم کر دیں۔ انہوں نے کئی قسم کی تکلیفیں بھی پہنچائیں۔ ایذائیں بھی دیں۔ مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اور کامیاب ہو بھی کیونکر سکتے تھے بھلا خدا کے دست کو خدا کا دیا ہوا تحفہ کو چھین لینے کی کون طاقت رکھتا ہے۔ کوئی نہیں۔ چنانچہ ہر قسم کی کوششیں کرتے اور سارا زور لگانے کے باوجود کوئی شخص حضرت باوا صاحب سے چولا چھیننے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور آخری وقت تک آپ کے پاس ہی رہا۔ اور چولا حاصل کرنے والے سب دشمن ناکام رہے۔ اس قسم کے واقعات سکھ صاحبان کی مذہبی کتب میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ جنم ساکھی ص۴۳۵۔ نانک پرکاش اتوار دادھیائے ۱۷۔ نانک سورج ص۲۷۸۔ جنم ساکھی اردو ص۴۹۵۔ وار نک نانک پرکاش ص۲۲۳ وغیرہ میں تفصیل سے یہ ذکر موجود ہے۔

آخر جب خدا تعالےٰ نے حضرت باوا صاحب پر ظاہر کر دیا۔ کہ اب میرے دربار میں آنے کا وقت آگیا ہے۔ اور ان پر واضح ہو گیا۔ کہ اپنے محبوب سے ملنے کی گھڑی قریب آپہنچی ہے۔ تو انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے چولا اتار کر اپنے ایک سب سے مخلص مرید کے حوالے کر دیا۔ اور اس کی حفاظت کرنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ لکھا ہے

"گورو نانک نے خوش ہو کر (گورو انگد کو) گلے لگایا۔ اور اپنا چولا اتار کر ان کے سپرد کر دیا۔ نیز کھدوڑ صاحب چلے جانے کی تلقین کی"

(ترجمہ از پرسنگ سری چولا صاحب جی کے پرگٹ و پرکاشت ہونے کا۔ مصنفہ بھگوان سنگھ بیدی)

جنم ساکھی بھائی منی سنگھ میں آتا ہے کہ "بابا صاحب نے اپنا چولا رکھ دیا۔ اور کہا کہ جو شکستہ ان ہے وہ اس چولا کو پہن لے۔ سری چند اور لکشمی داس سے وہ چولا اُٹھایا نہ گیا۔ اور گورو انگد نے متھا ٹیک کر اُٹھا لیا"

ان حوالوں سے بھی ثابت ہے کہ (۱) جو چولا حضرت باوا صاحب کو ملا۔ وہ انہوں نے وفات کا وقت آنے سے قبل اپنے سے جدا نہ کیا۔ اور نہ کوئی ان سے چھین سکا (۲) ان کے بیٹے اس چولا کو نہ حاصل کر سکے۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی۔ وہ ان کے نافرمان تھے۔ ملاحظہ ہو۔ گورو گرنتھ صاحب ص۹۶۷ وار ان بھائی گورداس وار ۱۵ پوڑی ۳۸۔ (۳) گورو انگد جی نے چولا اٹھا لیا۔ کیونکہ وہ باوا جی کے بہترین مرید تھے۔ اور ان کے ذریعہ اپنے سابقہ دھرم کو چھوڑ کر حضرت باوا صاحب کے ہمنوا بن گئے تھے۔ ملاحظہ ہو جاکوش ص۳۲۳

یہ باتیں بھی ثابت کرتی ہیں کہ واقعی چولا خدا تعالےٰ کی طرف سے اور اس کا ایک نشان تھا۔ اسی لئے حضرت باوا صاحب نے زندگی کے آخری سانس تک اس کی بڑی احتیاط سے حفاظت کی اور اپنے پاس رکھا۔ پھر اپنے بعد اس کی خاص حفاظت کا بڑا اہتمام کیا۔ اور ہر وہ احتیاط کی جو ممکن تھی۔ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دونوں بیٹوں کو اس سے محروم کر دیا۔ . . . .

. . . . لیکن اپنے ایک مخلص مرید اور فرمانبردار شاگرد کے حوالے کر دیا۔ اور پھر اُسے نصیحت فرمائی۔ کہ یہاں نہ رہنا۔ کھدوڑ چلے جانا وہاں زیادہ حفاظت ممکن ہوگی۔

پھر گورو انگد دیو جی نے بھی چولا کو معمولی چیز نہ سمجھا۔ بلکہ اس کی شان کے شایاں تعظیم و تکریم کی۔ چنانچہ انہوں نے گدی پر بیٹھتے وقت گلے میں پہننے کی بجائے سر پر باندھا۔ اور ہمیشہ خاص عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس رکھا۔ پھر ان کے بعد پانچویں گورو ارجن داس جی کے وقت تک ہر گورو گدی نشینی کے وقت اس سے برکت حاصل کرنے کے لئے سر پر رکھتے رہے۔ تمام سکھ قوم وقتاً فوقتاً اس کی زیارت کرتی اور اس سے برکات حاصل کرتی رہی۔ حتیٰ کہ گورو ارجن جی اس جی کے آخری ایام میں حالات کچھ اس قسم کے پیدا ہو گئے۔ کہ معلوم ہوتا ہے گورو جی کو چولا کے متعلق خطرہ محسوس ہوا۔ کہ کوئی اُسے چھین نہ لے اور اس پر قبضہ کر کے اسے ضائع نہ کر دے۔ نیز انہیں اپنے ملک اور اپنے دیس کا کوئی ایسا بادشاہ یا آدمی میسر نہ آیا۔ جس پر آپ اعتماد کر سکتے اس لئے انہوں نے چولا کی حفاظت کی خاطر خدا نے

کے ایک شخص "طوطا" کے سپرد کر دیا۔ اور وہ اسے لے کر اپنے وطن چلا گیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ قابلِ اعتبار اور باوثوق انسان تھا۔ اور گورو جی کو اس کے متعلق تسلی تھی۔ کہ وہ چولا صاحب کو حفاظت سے رکھے گا چنانچہ جب تک بھائی طوطا زندہ رہے۔ انہوں نے چولہ کی اپنی جان سے بڑھ کر حفاظت کی۔ اور اسے اپنی تحویل میں رکھا۔ چنانچہ ایک صاحب بیدی بھگوان سنگھ اپنی تصنیف "پرتسک سری چولہ صاحب جی کے پرگٹ و پرکاشت ہونے کا" میں لکھتے ہیں:۔

بھائی طوطا گورو سکھ نیچے والا
خراساں ولائت توں آئیا۔ جی
دھن دھن گورو ارجن دیو صاحب
چولہ دیا نکال کے تبھی بھائی
لیکر جات بھیو گورو سکھ نے
من اتی اننت بگسنائی
سکھی پرگٹ ہوئی تیہہ دیس سارے
چولہ صاحب سیوا چت رکھنائی

یعنی ایک سچے عقیدے والا سکھ ملک خراساں سے آیا۔ گورو ارجن جی نے اسے چولہ دے دیا۔ وہ چولہ کو لے کر اپنے ملک خراساں چلا گیا۔ سکھی مذہب اس ملک میں پھیل گیا۔

بھائی طوطا کے چولہ لے جانے کے بعد یوں ہوا کہ جب تک بھائی جی زندہ اور تندرست رہے انہوں نے چولہ کو بڑی عزت و تکریم سے اپنے پاس محفوظ رکھا۔ لیکن جب انہوں نے خیال کیا کہ ان کی وفات قریب آ پہنچی ہے۔ اور انہیں کوئی ایسا آدمی بھی میسر نہ آیا جس پر وہ بھروسہ کر سکتے۔ اور اعتماد رکھتے کہ چولہ کی حفاظت کر سکے گا۔ تو انہوں نے مجبوراً یہی مناسب سمجھا۔ کہ چولہ کو کسی خفیہ جگہ پوشیدہ کر کے حوالہ خدا کر دیں۔ تاکہ وہ جس طرح چاہے چولہ کو دنیا میں رکھنے یا اُٹھا لینے کا انتظام کرے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ انہوں نے ایک پہاڑ کی غار میں رکھ کر غار کا منہ بند کر دیا۔ اور آپ فوت ہو گئے۔ اگر آپ کو یقین ہوتا۔ کہ میرے بعد فلاں آدمی صحیح طریق سے چولہ کی مناسب حفاظت کر سکتا ہے۔ تو ہرگز غار کے حوالے نہ کرتے۔ بلکہ اس آدمی کے سپرد کرتے۔

بھائی طوطا نے چولہ کے متعلق جو کچھ کیا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ اسے ایک مقدس اور آسمانی تحفہ سمجھتے تھے۔ اور آخر جب انہیں اس کی حفاظت کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو ایک پوشیدہ جگہ میں رکھ کر اسے محفوظ کر دیا اور سمجھ لیا۔ کہ خدا تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے۔ اگر اسے یہ منظور ہوگا۔ کہ دنیا کے لوگ چولہ کی برکات اور فیوض سے فائدہ اُٹھائیں۔ تو کسی نہ کسی طریق سے دنیا پر ظاہر کر دے گا اور اس سے فائدہ اُٹھانے کا انتظام کرے گا اور اگر اسے دنیا سے اُٹھا لینا منظور ہوا۔ تو کسی پر ظاہر نہیں کرے گا۔ کہ وہ کہاں ہے اور کدھر چلا گیا ہے۔ چونکہ خدا چاہتا تھا کہ اس علمی زمانہ تک اپنے اس نشان چولا کو دنیا میں قائم رکھے جبکہ ساری دنیا ایک ملک کی صورت اختیار کر لے گی۔ اور ایک حقیقت سارے عالم میں بآسانی اور بسرعت پھیل جائے گی۔ اس لئے ایسا اہتمام کیا کہ بیدی کابلی مل پر جو بابا صاحب کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت باوا صاحب خواب میں ظاہر ہوئے اور چولہ کے متعلق پوری پوری نشان دہی کی۔ اور اسے لے آنے کی تاکید فرمائی۔ بیدی صاحب موصوف حضرت باوا صاحب کے بتائے ہوئے نشانات کی بنا پر چولہ کی تلاش میں نکلے۔ اور آخر اسے پا کر لے آئے۔ ان کے بعد ان کی اولاد کے پاس نسلاً بعد نسل رہا۔ اور آج تک ڈیرہ بابا نانک ضلع گورداسپور میں اصلی شان اور اصلی حالت میں موجود ہے۔ جہاں ہر سال پھاگن کی ۲۱-۲۲-۲۳ تاریخ کو چولہ صاحب کے نام پر ایک عظیم الشان میلا لگتا ہے۔ جس میں دور دراز سے سکھ مرد۔ عورتیں اور بچے بڑی عقیدت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اور مقدس چولا کے درشن کرتے ہیں۔ ہم ہر سال مقررہ تاریخوں پر علاقہ دوآبہ کی ایک عظیم الشان اور بھاری سنگت شبد پڑھتی ہوئی قادیان میں سے گذرتی دیکھتے رہے ہیں۔

یہ حالات اور واقعات جو سکھ صاحبان کی مذہبی کتب میں موجود ہیں۔ اور ہر انسان اپنی آنکھوں سے بیان کردہ واقعات دیکھ سکتا ہے بتاتے ہیں۔ کہ چولہ فی الواقعہ خدا کا مقدس نشان ہے۔ جس کی اتنے لمبے عرصہ کے باوجود زمانہ کے کئی ایک نشیب و فراز پیش آنے کے حفاظت کی جا رہی ہے۔ اور آج بھی اپنی اصلی حالت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جب یہ حقیقت واضح ہے۔ تو اہل علم سکھ صاحبان کا فرض ہے کہ سچے دل سے اس چولہ کی تقدیس اور احترام کا اعتراف کریں۔ اور سچی عقیدت کے ساتھ اس کے درشن کرتے ہوئے غور کریں۔ کہ اس پر جو کچھ لکھا ہے۔ اور جس کی وجہ سے حضرت باوا صاحب اور دوسرے گورو اس کی تقدیس اور احترام کرتے رہے ہیں۔ اس کا صحیح مطلب اور مفہوم سمجھیں۔ اور اس کے مطابق عمل کریں۔

اس چولہ کے فوٹو کئی ایک کتابوں اور رسالوں میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ خود سکھ صاحبان نے بھی شائع کئے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب چوہدری کرتار سنگھ جی ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر نے اپنی تصنیف کردہ جغرافیہ ضلع گورداسپور کے صفحہ ۱۰۶ پر چولہ کا اصلی فوٹو شائع کیا ہے۔ یہ جغرافیہ لالہ ملک راج ودگی نے گورنمنٹ آف انڈیا سے رجسٹری کرا کر شائع کیا اور تقسیم پنجاب سے قبل گورداسپور کے متعدد سکولوں میں پڑھایا جاتا تھا۔ اس سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ چولہ پر کیا لکھا ہے۔ اور عربی پڑھے لکھے اصحاب اس کا مفہوم سمجھا جا سکتا ہے۔ پس ہر سکھ بھائی کا اولین فرض ہے کہ حضرت باوا صاحب کی اس نہایت قیمتی یادگار کا جو کئی سال سے معجزانہ طریقوں سے محفوظ چلی آتی ہے۔ اور آج بھی اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔ ایک بار نہیں بار بار مطالعہ کریں۔ اور اس کے مطالب سمجھیں۔

گورپرب

اس ہفتہ میں صلح و آشتی کے علمبردار حضرت باوا گورو نانک صاحب کی یوم پیدائش کی تقریب سکھ بھائیوں کی طرف سے منائی گئی ہے۔ ہم بھی اس مبارک وجود کی پیدائش کے دن پر اپنے بھائیوں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ باوا صاحب کی شخصیت میں اہل ہند کو بہت سے نیک سبق ملتے ہیں۔ اور انسانیت۔ اخلاق۔ روحانیت اور مذہب کے ہر قدردان کے لئے باوا صاحب کا وجود ایک عمدہ نمونہ پیش کرتا ہے۔ جس طرح آپ نے صداقت و راستی کے حصول اور خدا تعالیٰ سے تعلق استوار کرنے کے لئے لمبے سفروں کی صعوبتیں اُٹھائیں۔ بزرگوں کے مزارات پر چلہ کشی کی۔ یہاں تک کہ عرب۔ عراق اور بخارا وغیرہ کے دور دراز اور کٹھن سفر بھی اختیار کئے۔ آج مادی دنیا میں کون ہے جو خدا تعالیٰ اور مذہب کی خاطر یہ قربانیاں کر سکے آپ کا حق و صداقت کا اظہار اور تبلیغ حق کے لئے چولہ صاحب کو زیب تن کر کے ادھر اُدھر پھرنا بتاتا ہے کہ آپ اپنے سچے اصولوں کو بیان کرنے میں کیسے بیباک اور نڈر تھے آپ نے اپنے ساتھ بھائی بالا اور بھائی مردانہ کو مستقل طور پر وابستہ کر کے ہندو اور مسلم اتحاد کا ایک نہایت عمدہ ثبوت دیا اور یہ ظاہر کر دیا کہ جس طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کی سب مخلوق بحیثیت مخلوق کے برابر ہے اور وہ ان سب سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے پیاروں کے نزدیک بھی سب مخلوق خواہ ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی۔ برابر ہیں۔ کاش آج اہالیانِ ہند باوا صاحب کے اس قابل تقلید نمونہ کی قدر کریں۔ اور ملک میں باہمی محبت و پیار اور اخوت کی رَو چلائیں۔ تاکہ ہمارا ملک ترقی و بلندی کی طرف قدم بڑھاتا چلا جائے۔

گورو نانک صاحب نے دنیا کے سامنے ایک اور ضروری اصل بھی جو اس وقت کے لوگ بھول چکے تھے۔ دوہرایا۔ اور وہ یہ کہ جس طرح خدا تعالیٰ کی دوسری صفات ہمیشہ سے ہیں اور ابد تک رہیں گی۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی صفت تکلم یعنی اپنے بندوں کے ساتھ ہمکلامی کی صفت بھی ہمیشہ رہے گی۔ چنانچہ گرنتھ صاحب میں یہ قول درج ہے کہ ؎

"ٹھاکر ہمرا سدا بولنتا"

یعنی ہمارا خدا ہمیشہ اپنے نیک اور پاک بندوں کے ساتھ بولتا ہے۔ اور انہیں اپنے الہام اور کلام سے مشرف کرتا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو خدا کے پیارے اور برگزیدہ ہمیشہ ہی بیان کرتے رہے ہیں اور جس کو مادی دنیا ہمیشہ ہی کچھ عرصہ کے بعد بھلا دیتی ہے

اس زمانہ میں بھی جب دنیا نے خدا تعالیٰ کے الہام و کلام سے انکار کیا تو گورو صاحب کی پیشگوئی کے مطابق پرگنہ بٹالہ کے گورو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ظاہر ہوئے۔ جن پر خدا تعالیٰ کا زندہ کلام نازل ہوا۔ اور ان کے ماننے والے آج بھی خدا تعالیٰ کے زندہ اور شیریں کلام سے اپنے آپ کو پاک و منور کر رہے ہیں۔ ہم اپنے سکھ بھائیوں کو اس زمانہ کے گورو کے ساتھ وابستہ ہونے کے لئے دعوت دیتے ہیں ؎

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

احباب مطلع رہیں کہ نومبر کا رسالہ شائع نہیں ہو رہا۔ بلکہ نومبر اور دسمبر کا پرچہ ملا کر اکٹھا ملسالانہ نمبر شائع ہو رہا ہے۔ جو کہ دسمبر کے پہلے ہفتہ ڈاک کے سپرد کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (مینیجر رسالہ درویش قادیان)

شہنشاہ اَورنگ زیب عالمگیر کی ملکی خدمات

ازمکرم مولوی خورشید احمد صاحب متعلم جامعۃ المبشرین قادیان

(۱)

تعصب! تیرا ستیاناس ہو۔ تو انصاف اور ایمان کو جلا کر اس طرح راکھ کر دیتا ہے۔ جس طرح کہ آگ کی چنگاری پرانی سوکھی گھاس کو دیکھتے ہی دیکھتے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ تعصب کے نتیجہ میں کینہ وبغض ہمیشہ کے لئے بدامنی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ تاریخ عالم اس امر کی گواہ ہے۔ کہ تعصب اور خود غرضی نے بڑے بڑے پارسا اور نیک فطرت انسانوں کو بڑی بھیانک اور گھناؤنی شکل میں یوں پیش کیا کہ آئندہ آنے والی نسلوں نے ان بلند پایہ بزرگ ہستیوں کو شیطان کا ہمشکل خیال کیا۔ ان سے بغض وکینہ اور نفرت رکھنا ... اپنے ایمانیات کا جزو بنا لیا۔ اسی طرح وہ حقائق اور انصاف کو نظر انداز کر کے گناہ کی نجاست میں ملوث ہو گئے۔ لیکن ان جاپرستوں کا نہ تو ان کی تعریف سے کچھ سنورتا ہے اور نہ ہی کوسنے اور تنقید کرنے سے ان کا کچھ بگڑتا ہے۔ ہاں آئندہ آنے والی نسلوں میں خواہ مخواہ کی مخالفہ وموافق دو رویں چل پڑی ہیں۔ جو آہستہ آہستہ اختلاف کا موجب بن کر ملک اور قوم کو نقصان پہنچانے کا باعث بن سکتی ہیں۔

گذشتہ زمانہ میں گذرے ہوئے افراد کے نیک کارناموں سے آئندہ نسلوں کو نمونہ پکڑنا چاہیئے۔ اگر ان سے غلطیاں ہوئیں۔ تو وہ زمانہ گذر گیا۔ ان کے اعمال ان کے ساتھ چلے گئے۔ صدیوں کے بعد گذشتہ لوگوں کی باتوں کو جن کی بنیاد محض بناوٹی قصوں پر ہے وجہ اشتعال بنانا عقلمندی سے بہت بعید بات ہے ... ہندوستان پر قدیم زمانہ سے آج تک مختلف دور آئے۔ مختلف سلطنتیں قائم ہوئیں اور بگڑیں۔ بعض قوموں کے آباؤ اجداد اگرچہ بیرونی ممالک سے ہندوستان آئے۔ مگر ان قوموں نے ہندوستان کو اپنا عزیز وطن بنا لیا وہ ہمیشہ یہیں کے ہو رہے۔ ہندوستان کی قسمت ان کی قسمت۔ ہندوستان کی فلاح و بہبود ان کی فلاح وبہبود۔ ہندوستان کی عزت وحشمت ان کی جاہ وحشمت بن گئی۔ ان کے خون کے قطرہ قطرہ میں ان کے رگ وریشہ میں ہندوستان کی وطنیت رچ گئی۔ ان کے دل ودماغ سے یہ تصور ہی نکل گیا کہ وہ غیر ملکی ہیں۔ اول اول وسط ایشیاء سے آرین آئے۔ اپنی راجدھانیاں قائم کر کے ہندوستان ہی میں رہنے لگے۔ مختلف دوروں کے بعد مغلیہ خاندان کے لوگ بابر بادشاہ وغیرہ آئے۔ ہندوستان کو اپنا وطن بنا کر آریوں کی طرح یہیں کے ہو رہے اگرچہ وہ مذہب کے لحاظ سے مسلمان تھے۔ مگر ہندو۔ پارسی۔ بدھ۔ سکھ وغیرہ تمام اقوام کو اپنا پیارا وطنی بھائی جانتے تھے۔ اور ان سے بھائیوں جیسا حسن سلوک کرتے تھے۔ مغلوں نے اس پیارے دیش پر کئی سو برس تک حکمرانی کی۔ اور ان حکمرانوں نے ہندوستان کی عظمت کو چار چاند لگانے کے لئے اپنی انتہائی کوششیں صرف کر دیں۔ ہندوستان کو اکھنڈ بنانے اور اکھنڈ رکھنے کے لئے انہوں نے اپنی جانوں تک کی بازی لگا دی۔ آخر وہ زمانہ آیا۔ جب شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے وقت میں بھارت دیش بلخ بخارا سے چٹاگام تک۔ تبت سے لے کر انتہائے جنوب تک ہندوستان کے جھنڈے تلے تھا۔ چنانچہ سرجادو ناتھ سرکار اپنی کتاب "اورنگ زیب" میں لکھتے ہیں:۔

"یہ اسی بادشاہ کا دور ومسعود تھا۔ جبکہ سلطنت مغلیہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچی۔ اور ابتدائے عہد تاریخ سے برطانوی حکومت کے قیام تک کے زمانہ میں شاذ یہ واحد حکومت تھی جس نے اتنی وسعت حاصل کر لی۔ غزنی سے لے کر چاٹگام تک اور کشمیر سے لیکر کرناٹک تک تمام ملک ایک ہی فرمانروا کے زیر نگیں تھا ... اس طرح سے جو حکومت قائم ہوتی ایک سیاسی وحدت تھی۔ اس کے مختلف مقامات پر ماتحت حکمرانوں کا تسلط نہ تھا بلکہ بلا واسطہ بادشاہ کے ماتحت تھے۔ اس حیثیت سے اورنگ زیب کی ہندوستانی حکومت اشوک سمدرگپت یا ہرش وردھن کی حکومت سے وسیع تر تھی۔"

(مقدمہ اورنگ زیب جلد اول)

آہ برصغیر ہند کی تقسیم پر بعض افسردہ خاطر ہیں۔ شاید یہ اس ناقدرشناسی کا خمیازہ ہو جو مغل اعظم کے نیک نمونہ کی کی گئی۔ بلکہ اسے پیٹ بھر کر گالیاں دی گئیں اور کوسا گیا۔ غیر ملکی تاجر پھوٹ کے بیج بو کر ہندوستان کی یکجہتی کو قائم نہ رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ مغلوں کے علاوہ کوئی راجہ یا سردار اورنگ زیب سے پہلے یا بعد اس وسیع ملکی وسیاسی اتحاد کو قائم نہ کر سکا۔ لیکن کتنے بڑے دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ اسی اورنگ زیب کو ملک وقوم کا بدترین دشمن اور غیر ملکی کہہ کر کوسا جا رہا ہے۔ جس نے اپنی ساری عمر عزیز ہندوستان کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ یقیناً اورنگ زیب مخلص ویکا ہندوستانی تھا۔ اس کے جسم کی رگ رگ۔ اس کے خون کا قطرہ قطرہ اسی ہندوستان کی مٹی سے بنا تھا۔ وہ ہندوستان کی خاک سے پیدا ہوا۔ اسی ملک میں پرورش پائی۔ اسی کی پر لطف فضاؤں میں۔ اسی کے گنگا جمنا کے پانیوں میں۔ اسی کے میدانوں میں وہ بڑھتا پھلتا اور پھولتا ہوا جوان ہوا۔ اسی ملک کی خدمت کرتے کرتے بوڑھا ہوا۔ اسی کے جھنڈے کو اپنے بڑھاپے میں ۱۰ اپنے آخری سانسوں تک بلند کئے اسی ہندوستان کی خاک میں مدفون ہوا۔ نہ صرف یہ کہ وہ پکا ہندوستانی تھا۔ بلکہ اس کا باپ اس کا دادا اور دوسرے اجداد بھی سب کے سب ہندوستانی تھے۔ وہ بھی اپنے اس وطن میں دفن ہیں۔ کبھی بھی ان کے تصور میں نہ آیا۔ کہ بھارت ہمارا دیش نہیں۔ انہوں نے انگریزوں کی طرح ہندوستان کی دولت کو غیر ملکوں میں نہیں بھجوایا بلکہ یہاں کی دولت اسی ملک پر رعایا کی بہبودی پر صرف کی۔ ایسے محب وطن کو غیر ملکی یا ملک وقوم کا بدخواہ کہنا کہاں تک جائز ہے۔ اگر یہ الزام ظلم نہیں۔ بلکہ حق بات یہ ہے تو سب سے پہلے ہمارے آرین بزرگ اس حق والزام کے مستحق ہیں۔ کیونکہ وہ پہلے آئے تھے۔ لیکن ایسا کہنا انصاف کے گلے پر چھری پھیرنا اور حقائق کا خون کرنا ہے۔

حضرت اورنگ زیب عالمگیر کا نظام حکومت وطن عزیز سے محبت۔ ملکی خدمات۔ عدل وانصاف غرضیکہ اس کی ملکی سیاست ایسے امور ہیں کہ آج کی حکومتوں کو ان سے نمونہ پکڑنا چاہیئے۔ عالمگیر اس برصغیر کی عریض وطویل سلطنت کا سارا انتظام اکیلا کرتا تھا۔ اصولی لحاظ سے بادشاہ کا سب سے پہلا اور آخری فرض ملک کی بے لوث خدمت کرنا ہے۔ کیونکہ سلطنت رعایا کی امانت اس کے پاس ہوتی ہے۔ وہ رعایا کا سچا امین ہوتا ہے۔ عالمگیر نے اپنے اس فریضہ کو شہزادگی سے لے کر آخر وقت تک کبھی فراموش نہیں کیا۔ اپنی اس ادائیگی فرض کی وجہ سے وہ حکومتوں کے لئے نمونہ چھوڑ گیا ہے۔ کسی بھی ملک کی اولین خدمت عدل وانصاف اور امن کا قیام ہی ہوتا ہے۔ عالمگیر کا عدل وانصاف ہمیشہ زندہ رہے گا جو قوموں کی راہنمائی کا موجب بنتا رہے گا۔

شہنشاہ اورنگ زیب عدل وانصاف میں امیر وغریب۔ اپنا وبیگانہ۔ دوست ودشمن سب کو برابر سمجھتا تھا۔ انصاف کرتے میں کسی کی رعایت نہ کرتا تھا۔ وہ ایک رقعہ میں خود لکھتا ہے کہ:۔

"میں انصاف کے معاملات میں شہزادوں کو عام آدمیوں کے برابر سمجھتا ہوں۔"

اس موقعہ پر ایک انگریز کی رائے اس کے انصاف کے بارے میں درج کی جاتی ہے:۔

"جبکہ قوم کے مصنفوں نے اورنگ زیب پر الزام لگانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لین پول۔ اوونگٹن سیاح کے چشم دید حالات لکھتا ہے کہ:۔

"مغل اعظم (حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہندوستان) عدل کا دریائے اعظم ہے سچے تُلے انصاف سے وہ عموماً تجویز کرتا ہے۔ کیونکہ شہنشاہ کے حضور میں سفارش امارت اور منصب کی کچھ پیش نہیں جاتی بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بات اورنگ زیب اس مستعدی سے سنتا ہے جس طرح سے بڑے بڑے افسر کی۔" (ترجمہ لین پول صفحہ ۷۶،۷۵)

پھر لین پول اپنی کتاب کے صفحہ ۷۵ پر لکھتا ہے کہ:۔

"سیاحوں کی مخالفانہ نکتہ چینیاں اورنگ زیب کے چال چلن پر اسی زمانہ تک ہیں۔ جب کہ وہ شہزادہ تھا۔ لیکن وہ سیاح جس وقت اس کے زمانہ شہنشاہی کا حال لکھتے ہیں تو سوائے کلمات تحسین کے اور کچھ نہیں لکھتے۔ اس کے پچاس سالہ دراز عہد حکومت میں ایک ظالمانہ فعل بھی اس کے خلاف ثابت نہیں۔"

(لین پول صفحہ ۵۲)

وہ واقعی عادل کا دریائے اعظم تھا۔ اس کا ایک واقعہ عدل وانصاف اور تحفظ عزت کا بطور نمونہ کے پیش کیا جاتا ہے۔ آج بھی صاحب اقتدار لوگ اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

مہتہ جیمنی جی۔ بی۔ اے آریہ سماج پرچارک اپنی تحقیقاتی کتاب "اورنگ زیب کی زندگی کا روشن اور اصلی پہلو" کے صفحہ ۱۴۵ و ۱۴۶ پر بعنوان اورنگ زیب کی انصاف پسندی لکھتے ہیں:۔

"اورنگ زیب عالمگیر کی ہمشیرہ قمر النساء بیگم کا لڑکا مرزا افخر دہلی میں مدار المہام کے عہدے پر تھا۔ اس نے ایک گمنام نام برہمن کی دلہن کی ڈولی جبراً اپنے گھر ڈال

ی۔ اس پر عاقل خان کوتوال شہر فوراً قمر النساء بیگم کے پاس پہنچا۔ قمر النساء بیگم نے لڑکے کو سخت لعن طعن کر کے ڈولی کو باہر نکالا۔ اور گھنشیام رام کے حوالہ کیا۔ یہ خبر آگرہ میں بادشاہ تک پہنچ گئی۔ بادشاہ نے فوراً حکم جاری کیا۔ کہ اس (مرزا افتخار) نابکار۔ ملعون۔ خبیث۔ بد عادت کو قلعہ میں لے جا کر قید کریں۔ اور اگر اس کی والدہ (یعنی خود شہنشاہ کی ہمشیرہ) بھی بیٹے کی محبت کے باعث کچھ تعرض کرے تو اسے پالکی میں عزت سے لے جا کر بیٹے کے ساتھ ہی نظر بند کر دیں۔ اور عاقل خاں جیل خانہ میں قمر النساء کی عزت میں کوئی فرق نہ آنے دے۔ نہ اسے کوئی تکلیف پہنچے۔ کیونکہ اس بیچاری کا کوئی قصور نہیں وہ بذات خود شریف اور پاکدامن ہے۔ لیکن حضرت نوح بھی اپنے ناخلف بیٹے کا کوئی علاج نہ کر سکا۔ ہمارے اوپر اس خلقت کو دکھ دینا۔ رعایا سے ناانصافی کرنا۔ جو خدا نے ہمارے سپرد بطور امانت کی ہے حرام ہے۔ پچاس مسلح سپاہی قلعہ میں مامور کئے جاویں۔ تاکہ سانپ کہیں سوراخ سے نہ نکل جائے۔ یعنی یہ لڑکا قلعہ سے بھاگ نہ جائے۔ جب میں وہاں دورہ پر آؤں گا۔ تو پچاس کوڑے (مزب بید جس کے سروں پر کانٹے لگے ہوتے تھے) اس لڑکے کو اپنے ہاتھ لگاؤں گا۔ کیونکہ اور کوئی افسر میرے بھانجے کو بید لگانے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ اگرچہ وہ فرزند کی طرح ہے مگر بد اطوار فرزند سے اور کیا سلوک کیا جا سکتا ہے۔" (صفحہ ۴۴ و ۴۵) پھر لکھتے ہیں:۔

"جب اسے کسی امر کے متعلق محکمہ خفیہ یا اور ذریعہ سے اطلاع ملتی یا اسے شکایت پہنچتی۔ تو ہرگز رعایت نہ کرتا۔ اور پورا انصاف کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رعایا خدا کی طرف سے اس کے پاس امانت ہے۔ وہ خدا کے حضور رعایا کی تکالیف کا جواب دہ ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسے مظالم کے لئے معاف نہیں کیا جائے گا۔ صفحہ ۴۵"

عالمگیر کے بارے میں تمام مخالف و موافق اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ وہ عورت کی عصمت دری کے متعلق کسی قسم کا فعل برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خبر پاتے ہی فرزند کی طرح عزیز بھانجے کو قید کا حکم دیتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے سنگین سزا دینے کا اعلان کرتا ہے۔ اپنی بہن تک کو ناجائز حمایت کی پاداش میں نظر بند رکھنے کا حکم جاری کرتا ہے۔ اس کے حکم کے سامنے کوئی دم نہیں مار سکتا تھا۔ آج بھی عورت کی عزت کی نگہبانی کے دعویدار پائے جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں اختیار کا سونٹا بھی ہے۔ مگر آزادیٔ ہند کے موقعہ پر عورات پر کیا کیا ظلم و ستم کئے گئے۔ کس طرح اس کی عزت و ناموس خاک میں ملا دی گئی۔ غالباً یہ سب کچھ صاحب اختیار لوگوں کو بھولا نہیں ہوگا۔ کیا یہ سچ نہیں

کہ آج کی حکمران دنیا کو اورنگ زیب کے نمونہ کو اپنانا چاہیئے۔ ملک میں کبھی بھی امن اور چین قائم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ ملک کی مرکزی روح یعنی عدل و انصاف کو مستحکم نہ کیا جائے۔ اسی سے ملک ترقی کرتا ہے۔ اسی سے امن کا قیام ہوتا ہے۔

عالمگیر مجرم کو تو سزا دیتا ہی تھا۔ مگر ساتھ ہی اس شخص کو بھی سزا دیتا تھا۔ جو شخص مجرم کی ناجائز حمایت میں انصاف کا خون کروانے سفارشی بن کر آتا تھا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ مرزا کام بخش کے کوکہ پر قتل کا الزام تھا۔ کام بخش اورنگ زیب کا چہیتا بیٹا تھا۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ عدالت میں تحقیقات کی جائے۔ مرزا کام بخش نے اس کی (کوکہ) کی حمایت کی۔ عالمگیر نے مرزا کام بخش کو دربار میں بلایا۔ کام بخش کوکہ کو ساتھ لایا۔ اسے اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔ اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ کام بخش کو بھی کوکہ کے ساتھ قید کیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔"
(مآثر عالمگیری صفحہ ۵۲۷)

شاید دنیا کے کئی ملکوں کی تاریخیں اورنگ زیب کے سنہری کارناموں کی مثال سے خالی ہوں۔ جو اس نے شخصی حکومت کے باوجود کئے۔ تاریخ میں آتا ہے کہ "عالمگیر نے ۱۰۸۲ھ میں یہ فرمان نافذ کیا کہ تمام اضلاع میں سرکاری وکیل مقرر کئے جائیں۔ اور عام منادی کر دی جائے۔ کہ ہر وہ شخص جو بادشاہ کے حضور پہنچنے کی دسترس نہیں رکھتا۔ اور اس کا بادشاہ پر کوئی دعویٰ ہو۔ تو وہ شاہی وکیل کی طرف رجوع کرے۔ بادشاہ کی طرف سے سرکاری وکیل خلق خدا کا جواب دہ ہوگا۔ اگر اس کا حق ثابت ہو۔ تو سرکاری وکیل سے اپنا مطالبہ وصول کرے" (خافی خان کی تاریخ صفحہ ۲۴۹) جمہوری نظام حکومت میں اگر ایسے قانون ہوں۔ تو بڑی بات نہیں۔ لیکن شخصی حکومتوں میں ایسے قانون نہیں ہوا کرتے۔ اورنگ زیب کا ایسا قانون بنا کر اس کی عام منادی کر دینا اسکے بے نظیر انصاف اور خدا ترسی پر دلالت کرتا ہے۔ عالمگیر کے زمانہ میں عدالتیں قائم تھیں۔ وہ خود بھی دن میں دو تین مرتبہ دربار عام کرتا تھا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بات بڑی توجہ سے سنتا۔ وہ باوجود بوڑھا اور کمزور ہو جانے کے حکومت کا کام کرنے میں خوشی محسوس کرتا تھا۔ ڈاکٹر جیلی کریری نے عالمگیر کو اٹھتر برس کی عمر میں دیکھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ "وہ کھڑے ہو کر داد خواہوں کی عرضیاں لیتا جاتا تھا اور بلا عینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا۔" (تاریخ الفنسٹن صاحب مطبوعہ علی گڑھ صفحہ ۱۲۳)

تاریخ عالم میں ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ کہ شہنشاہ ہو کر کوئی اپنے انتہائی بڑھاپے تک اس طرح ملک کی خدمات کرتا ہو۔ جیسے کہ عالمگیر نے کیں۔ دنیا جانتی ہے کہ بادشاہ کتنے آرام طلب اور عیش پرست ہوتے ہیں۔ آج کے شخصی طرز حکومت کے بادشاہ نہ کبھی میدان جنگ میں آئے نہ ہی میدان عمل میں۔ ان کو صرف تنخواہ و وظیفہ سے غرض ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں واقعی اورنگ زیب بادشاہوں کے لئے نمونہ قائم کر گئے ہیں۔ وہ ملک کا ایک پیسہ بھی اپنی ذات کے لئے نہیں لیتے تھے۔ وہ اپنی ذاتی ضروریات کے لئے کپڑے کی ٹوپیاں بیتے اور قرآن شریف کی کتابت کرتے تھے۔ ساری عمر اپنے ہاتھ کی کمائی سے گذارہ کرتے رہے۔ لیکن اپنی ساری طاقت۔ ساری عقل اور ساری ہمت ملک کی خدمت کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ خود مغلیہ سلطنت میں بادشاہ کی جیب خاص کے لئے کروڑوں روپیہ کی آمدنی کے علاقے مخصوص ہوتے تھے۔ سب راجوں۔ مہاراجوں کا ملکی خزانہ میں سے اپنی ذات پر حسب منشاء خرچ کرنے کا رواج قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا۔ آج بھی بادشاہ اپنی ذات کے لئے لاکھوں روپیہ شاہی خزانہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اور اب ہندوستان میں ریاستوں کو ختم کرانے کے باوجود بھی راجوں اور راج پرمکھوں کو لاکھوں روپیہ کے سالانہ وظائف اور آمدنیاں مقرر کی گئی ہیں۔ مگر اورنگ زیب شاہی خزانہ سے اپنی ذات کے لئے ایک پیسہ نہیں لیتے تھے۔ اس کی وجہ وہ جذبہ خدمت ہے۔ جو رعایا کے متعلق اورنگ زیب کے دل میں موجزن تھا۔ ایک امیر کے اصرار پر کہ آپ اپنی صحت کے مدنظر اتنا کام نہ کیا کریں۔ آپ نے مرسلہ بھیجے ہیں۔ کہ "اس قادر مطلق نے مجھے اس لئے دنیا میں نہیں بھیجا کہ میں محنت و مشقت کر کے اپنی زندگی برقرار رکھوں۔ بلکہ اس لئے کہ میں اوروں کے لئے جیوں میرا فرض یہ نہیں کہ اپنے لئے راحت کے سامان بہم پہنچاؤں بلکہ یہ ہے کہ رعیت کی خوشحالی میں اپنی خوشی سمجھوں۔ میری شان کے شایان یہ ہے کہ اپنی رعایا کے آرام اور بہبودی کو ہمیشہ مدنظر رکھوں اور ان کے امن میں ہرگز خلل انداز نہ ہوں" (از پنڈت قسمت پرشاد صاحب بی۔ اے بحوالہ اخبار نور ۲۳ر فروری ۱۹۲۲ء صفحہ ۷/۹)

حضرت عالمگیر حکومت کو نعمت الٰہی جان کر شکرانہ کے رنگ میں اس کی خدمت کرنا اپنا فرض جانتے تھے۔ وہ انتہائے پیری تک دربار میں کھڑے ۔ ۔ ۔ ہو کر رعایا کی عرضیاں لیتے تھے۔ حکومت کے فرائض ادا کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ ڈاکٹر جیلی کریری کا بیان ہے جبکہ اس وقت بادشاہ کی عمر اٹھتر سال تھی وہ صاف و سفید ململ کی پوشاک پہنے ہوئے عصائے پیری کے سہارے سے امیروں کے جھرمٹ میں کھڑا ہوتا تھا۔ اور اس کی پگڑی میں بڑا گراں زمرد ٹانکا ہوا تھا۔ وہ دادخواہوں کی عرضیاں لیتا جاتا تھا۔ اور بلا عینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا۔ اور اس کے ہشاش بشاش چہرہ سے صاف مترشح تھا کہ وہ اپنی مصروفیات سے نہایت شاداں و فرحاں ہے۔ (تاریخ الفنسٹن صفحہ ۱۲۳)

یہ تو صرف انصاف کے متعلق اسکی مصروفیات کا حال تھا۔ دوسری طرف مملکت کے بدخواہوں سے مقابلہ۔ رعایا کی خوشحالی و ترقی کے لئے تجاویز۔ رعایا کے آرام و آسائش کا خیال اتنے وسیع ملک میں تن تنہا اس خوبی سے کرتا تھا۔ کہ ہزاروں کوس دور سوداگر یا راہ گذر کی کوئی چیز ضائع ہو جاتی۔ تو اسے فوراً خبر لگ جاتی تھی اور وہاں کے حاکم سے باز پرس کرتا تھا۔ صوبہ داروں اور کارکنوں کی ایک ایک غلطی پکڑتا تھا یہ حیرانگی کی بات ہے کہ باوجودیکہ اس کی عمر کا بیشتر حصہ جنگوں میں گذرا۔ مگر پھر بھی وہ سول انتظامات پر بھی حاوی تھا۔ اس کی ملکی خدمات کا اعتراف غالباً اس کے سب سے بڑے دشمن الفنسٹن کو بھی کرنا پڑا۔ چنانچہ وہ عالمگیر کے حسن انتظام کے متعلق لکھتا ہے:۔

"وہ تن تنہا اپنی حکومت کی ہر شاخ کی کارروائی جزوی کاموں کے لحاظ سے کرتا رہا۔ لشکر کشیوں کے نقشے سوچتا لشکر کشیوں کے زمانہ میں ہدایات جاری کرتا تھا۔ اسکے سردار قلعوں کے نقشے اس منصوبے کے لئے اسکی خدمت میں ارسال کرتے کہ حملے کے مقاموں کو مقرر کرے۔ اسکے رقعوں میں پٹھانوں کے ہموار ملک میں سڑکوں کے جاری کرنے اور ملتان۔ آگرہ کے فسادوں کو دبانے۔ بلکہ قندھار کو دوبارہ واپس حاصل کرنے کی تدابیر مندرج پائی جاتی ہیں۔ اسی عرصہ میں فوج کا کوئی ٹکڑا یا باربرداروں کی کوئی رسد ایسی نہ تھی جس کا کوچ مقام بدون اسکے حکم کے پایا جائے ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صیغہ کی مالگذاری کی نگرانی ناظروں اور اگلے جاسوسوں کے ذریعہ سے کرتا تھا ایسی خبروں کی اصل و بنیاد پر ہمیشہ فہمائش اور ہدایتوں کے وسیلہ سے ان کو آگاہ و خبردار رکھتا تھا۔ مگر تفصیلی جزئیات پر ایسی توجہ سے ملتفت ہوتا۔ جو کہ ہوشیاری اور بیدار مغزی کی دلیل ہے" (ہسٹری الفنسٹن)

(باقی)

قادیان میں جماعت احمدیہ کا اکسٹھواں جلسہ سالانہ

نوٹ عـ۱ دوران تقاریر میں کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔

نوٹ عـ۲ ناظر دعوت و تبلیغ کو حکم ہے پروگرام میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

حسب دستور سابق ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۵۲ء کو قادیان میں جماعت احمدیہ کا اکسٹھواں سالانہ جلسہ منعقد ہوگا۔ ہندوستانی جماعتوں کے تمام احباب کا فرض ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے روحانی مرکز میں جمع ہونے کے لئے کوشش کریں۔ اور دیار حبیب کی زیارت سے ازدیاد ایمان کا سامان بہم پہنچائیں۔ اور مختلف جہات سے آئے ہوئے احمدی احباب سے ملکر اپنے قلوب کو صیقل کریں۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ میں شمولیت کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے فرمایا ہے:۔

"ہر وہ شخص جس کے لئے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر قادیان پہنچنا ممکن ہے اگر یہاں آنے میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کا لازمی اثر اس کے ہمسائیوں اور اس کی اولاد پر پڑے گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ جو دوست سال بھر میں ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر قادیان آجاتے ہیں اور اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لاتے ہیں ان کی اولادوں میں احمدیت قائم رہتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ پس ان ایام میں قادیان کسی ایسے بہانے یا عذر کی وجہ سے ترک کر دینا جسے توڑا جا سکتا ہے یا جس کا علاج کیا جا سکتا ہو صرف ایک حکم کی نافرمانی ہی نہیں بلکہ اپنی اولادوں پر بھی ظلم ہے"۔ (خطبہ جمعہ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۷ء)

اس لئے ہر مخلص ہندوستانی احمدی کا فرض ہے کہ اپنے واجب الاطاعت امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے شریک جلسہ ہونے کی پوری کوشش کرے۔ ما سوا بعض حالات اور مجبوریوں کی وجہ سے بیرون ہند کے احمدی اپنے مقدس مرکز کی زیارت اور استفادہ سے وقتی طور پر محروم ہیں۔ لیکن یہ نعمت ہندوستانی احمدیوں کو بسہولت حاصل ہے۔ پس ان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر کرتے ہوئے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ اس موقعہ پر ہم سنجیدہ مزاج ہر ہندوستانی کو خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہے۔ نہایت پرسکون اور پرامن ماحول میں احمدی نقطۂ نگاہ سے دلچسپ مذہبی اور علمی تقاریر سننے اور جلسہ میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں ؎

تشنہ بیٹھے ہو کنارے جوئے شیریں حیف ہے　　سرزمین ہند میں چلتی ہے نہر خوشگوار

جلسے کا پروگرام حسب ذیل ہے:۔

پہلا دن ۲۶ دسمبر ۱۹۵۲ء بروز جمعۃ المبارک

پہلا اجلاس

۴۵ — ۹ صبح تا ۰ — ۱۰　تلاوت قرآن کریم و نظم

۰ — ۱۰ 〃 ۲۰ — ۱۰　دعا و افتتاح جلسہ سالانہ

۲۰ — ۱۰ 〃 ۴۰ — ۱۰　پیغام سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔

۴۰ — ۱۰ 〃 ۴۰ — ۱۱　ذکر حبیب علیہ السلام　حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی

۴۰ — ۱۱ 〃 ۴۵ — ۱۱　نظم

۴۵ — ۱۱ 〃 ۴۵ — ۱۲　ہندوستان میں فرقہ دارانہ اتحاد کے ذرائع اور اس کے فوائد　مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل وکیل یادگیر دکن

نماز جمعہ و عصر

دوسرا اجلاس

۳۰ — ۲ شام تا ۴۵ — ۲　تلاوت قرآن کریم و نظم

۴۵ — ۲ 〃 ۰ — ۴　صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام از روئے سکھ مذہب　مکرم مرزا وسیم احمد صاحب [illegible] مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ پاکستان

۰ — ۴ 〃 ۰ — ۵　اسلام اور کمیونزم　مکرم مولوی محمد سلیم صاحب فاضل مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ مقیم کلکتہ (سابق مبلغ ممالک اسلامیہ)

دوسرا دن ۲۷ دسمبر ۱۹۵۲ء بروز ہفتہ

پہلا اجلاس

۴۵ — ۹ صبح تا ۰ — ۱۰　تلاوت قرآن کریم و نظم

۰ — ۱۰ 〃 ۰ — ۱۱　ضرورت مذہب۔ مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل

۰ — ۱۱ 〃 ۵۵ — ۱۲　صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام از روئے کتب　مکرم شیخ محمد عمر صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ پاکستان

۵۵ — ۱۱ صبح تا ۰ — ۱۲　نظم

۰ — ۱۲ 〃 ۰ — ۱　جماعت احمدیہ کی عالمگیر وسعت اور اس سے متعلق غیروں کی آراء　مکرم مولوی بشیر احمد صاحب فاضل مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ مقیم دہلی

نماز ظہر و عصر

دوسرا اجلاس

۳۰ — ۲ شام تا ۴۵ — ۲　تلاوت قرآن کریم و نظم

۴۵ — ۲ 〃 ۳۰ — ۳　حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے کارنامے　مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب فاضل بقاپوری معاون ناظر دعوت و تبلیغ قادیان

۳۰ — ۳ 〃 ۱۵ — ۴　حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشانات و معجزات　مکرم گیانی عباد اللہ مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ پاکستان۔

۱۵ — ۴ 〃 ۰ — ۵　برگزیدہ رسول غیروں میں مقبول　مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینی مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ مقیم حیدرآباد دکن

تیسرا دن ۲۸ دسمبر ۱۹۵۲ء بروز اتوار

پہلا اجلاس

۴۵ — ۹ صبح تا ۰ — ۱۰　تلاوت قرآن کریم و نظم

۰ — ۱۰ 〃 ۰ — ۱۱　حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں جو پوری ہوئی ہیں۔ مکرم مولوی عبد الحق صاحب فاضل [illegible]

۰ — ۱۱ 〃 ۰ — ۱۲　مسئلہ نبوت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں پر اعتراضات کے جوابات　مکرم حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری ناظر تعلیم و تربیت و ایڈیشنل ناظر دعوت و تبلیغ قادیان

۰ — ۱۲ 〃 ۰ — ۱　اہل ہند پر اسلام کا احسان　مکرم مرزا وسیم احمد صاحب مبلغ سلسلہ پاکستان۔

نماز ظہر و عصر

دوسرا اجلاس

۳۰ — ۲ شام تا ۴۵ — ۲　تلاوت قرآن کریم و نظم

۴۵ — ۲ 〃 ۴۵ — ۳　خصوصیات اسلام بمقابلہ دیگر مذاہب　مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینی مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ مقیم حیدرآباد

۴۵ — ۳ 〃 ۴۵ — ۴　دنیا کا محسن اعظم صلے اللہ علیہ وسلم　مکرم مولوی محمد سلیم صاحب فاضل مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ کلکتہ

۴۵ — ۴ 〃 ۰ — ۵　دعا و اختتام جلسہ سالانہ

(ناظر دعوت و تبلیغ قادیان)